

شہید کربلاؑ اور میزید

حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طریب صاحب
مہشور دار العلوم، بیروت

ادارۃ اسلامیات لاہور

شہید گریلا اور یزید

یہ کتاب :- جماعت دارالعلوم دیوبند کے متفقہ مسلک حق کی ترجمان ہے
محمود عباسی صاحب کے اس سوانح نامہ کتاب "خلافت معاویہ و یزید" مسلک
اہل سنت والجماعت کے نقیب "دارالعلوم دیوبند کے نقطہ نظر کے
لحاظ سے ایک انتہائی گراؤ کن اور ہیر لیا فلط کتاب ہے۔ زندگانِ دارالعلوم
دیوبند بصیرت و تحقیق کی روشنی میں حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے
موقف کو برحق اور یزیدوں کے موقف کو فحشا بیت پر مبنی سمجھتے ہیں۔
جماعت دارالعلوم دیوبند کے اس کتاب سے تحریر اور تقریر اکملی ہزاروں
کا اعلان کرنے کے باوجود بھی جو ناپاک ضمیر لوگ مومن اپنی خود غرضی اور نام
آوردی کے لئے، خلافت معاویہ و یزید سے بھی بیہودہ اور لچر کتاب کی تصنیف یا
تالیف یا نقطہ نظر سے زندگانِ دارالعلوم دیوبند کے متفق ہونے کا سوتیانہ
اور جانبدارانہ رویہ پکیندہ کرتے ہیں وہ لائق صد ہزار غلامت افزاء پرواز ہیں،
پیش نظر کتاب "شہید گریلا اور یزید" ترجمانِ اہل حق حضرت حکیم الاسلام
کے حق نگار حکم سے "خلافت معاویہ و یزید" کی ترویج اور موقف نام حسین رضی اللہ
عنہ کی تائید میں علمی، فکری، تحقیقی اور مسلکی لحاظ سے حرف آخر کی حیثیت سے
پیش کی جا رہی ہے۔ - و بعلینا الالباب -

محمد سالم قاسمی

یکم رمضان

صاحبزادہ حضرت مولانا ہادی محمد طیب صاحب مدظلہ

فہرست

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
	اداسون کرام کا نقطہ نظر	۴	دیش لفظ
۸۶	حکومت حسین کی مخالفت نہ ہو گی	۵	خلاف مساویہ و بیچ کا اصل حکم بحث
	بیاد کی وجہ	۱۳	حضرت مرثیہ اور زید سے حیدر کو گریہ کی داستان
۹۱	خوفت لاشہ کے تیس سال تک باقی رہنے کی حدیث تحقیق	۱۴	خدیجہ صاحبہ کی سیرت کی اصل حقیقت
۹۹	امیر بر خرقہ کا جواز اور موقف حسین	۱۶	مباحث
	عمر ابن الخطاب کے تعامل سے اسٹیل کی کائنات	۱۷	سیدنا حسین رضی اللہ عنہ
۱۱۵	خبرہ کی صاحبہ کا تیسرا منصوبہ	۱۸	خجائی صاحبہ کا پہلا منصوبہ
۱۱۹	حضرت حسین پر ترانہ سازی کا الزام	۱۹	حضرت حسین کی صحابیت کی حق
۱۲۲	حضرت حسین کی فطرت مبارک کا باہمی فرق	۲۱	حضرت حسین کے کردار پر غلط
۱۲۵	جریدہ دھرمس کا کردار	۲۲	حضرت حسین پر بنیادوں کے خلاف الزام
۱۳۱	نقشہ زید کا اقرار عباسی صاحبہ کے	۲۳	حضرت حسین کی صحابیت حدیث و تاریخ
	قرعے	۲۵	کی دشمنی میں۔
۱۳۹	زید کی تفسیر یا تفسیق کا سند اور حاشی	۲۵	صحابیت کی تحقیق و تعریف
	صاحبہ کی خیانت	۲۶	حکومت حسین صاحبہ وایت صحابہ کی
۱۵۳	زید کے دستور امت کی تباہی پر عینا انکار	۲۶	مقام صحابیت کی بلند مقامی قرآن حدیث کی
۱۶۹	زید و عہدہ شہادت والی حدیث سے خارج ہے	۲۹	مکمل میں۔
۱۸۰	حکومت حسین پر کسی قول کی گہا لکش نہیں	۳۰	سیدہ عمارہ سے مشق قرآنی تعلیم اور حدیث
۱۸۵	حاشیہ کا موقف اور غماز بحث	۳۰	سیدنا حسین کا صحابیت میں امتیاز
۲۰۲	خدیجہ کو دشمنی پر حیدر حضرت سے	۳۱	خجائی صاحبہ کا دوسرا منصوبہ
			سیدنا حسین کی صحابیت مظنی سے نکال

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شہید کر بلا اور یزید

خلافت معاویہ و یزید کا اصل نقطہ بحث

الحمد لله وسلام على عباده الذين اصطفى محترم محمود صاحب عباس پاکستانی
کی کتاب "خلافت معاویہ و یزید" جو ابھی حال میں شائع ہوئی ہے ہمارے
سامنے ہے۔ اس میں داستان کا آغاز حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت اور
سبائی پارٹی کی تخریبی کاروائیوں سے کیا گیا ہے۔ حضرت عثمان حضرت امیر
معاویہ رضی اللہ عنہما کا تذکرہ بھی اپنی اپنی نوعیت سے آیا ہے۔ لیکن چند
ہی صفحات کے بعد بحث کا رخ یزید اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی طرف
جو گیا ہے اور پھر آخر تک بنیادی طور پر یہی بحث چلی گئی ہے جس سے واضح
ہے کہ کتاب کا اصل مبحث حسین و یزید میں بقیہ شخصیتیں یا بحثیں ہیں
منظر کے طور پر لائی گئی ہیں۔ کتاب کی بحث کا انتساب یزید کو خلیفہ
پر حق دکھلا کر سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو اس کے مقابلہ میں خروج کنندہ
اور باغی ثابت کرنا ہے۔ کتاب کا یہ موضوع و مدعا چونکہ علماء مسلمین کے ان
مذہبات و احساسات کے خلاف تھا جو شرعی نصوص اور قواعد شرعیہ سے
ماخوذ ہیں اس لئے اس کتاب سے ملک میں شور و شغب بپا ہو جانا قدرتی
تھا جو ہوا۔ اور آج کے سائنس و اخبارات کا موضوع بحث یہی مسئلہ بنا ہوا
ہے۔ میں جیلہ سے بہتے سون کو اپنے قلوب کے دبے ہوئے غمخیزوں کو جگانے

اجاچار کے کاغذ بھی میرا گیا جس سے یہ فقہ کئی فقہوں کے جنم
 دینے کا وسیلہ ثابت ہوا اور اس طرح ملک کا روحانی اس و سکونہ آشتیت و
 پاکیزگی میں تبدیل ہو کر پید سے ملک میں فروع و اختصار کی جواہر پیل گئی۔
 ان کے ہارک دھڑ میں جب کہ مسلمانوں کے سابقہ اختلاف کو بھی انکی
 ملک نقطہ اعتدال پر لائے اور مسلمانوں کو وحدۃ کلمہ کی بنیاد پر متحد کرنے کی
 ضرورت تھی مسلمانوں کی برہمنی سے کہہ کر قدیم و جدید اختلافات کی قطع کو اور
 زیادہ وسیع کرنے کی نئی نئی صورتیں پیدا کی جہاں میں جن سے مسلمانوں کا
 ضعف و انتشار اور بھی زیادہ بڑھتا جا رہا ہے

کتاب کے جوائنوں نے اسے تدریجی و میراج کا نام دے کر اس کی
 ختمہ سامانیوں پر پردہ ڈالنا چاہا ہے۔ گو یہ ان کے نزدیک کتاب پر ہمارے تدریج
 کا نام آتے ہی ختم و نزاع کے سارے امکانات ختم ہو گئے حالانکہ تاریخی تدریج
 کے نام پر جو تاریخ سامنے لائی جا رہی ہے وہ خود ہی اپنے اندر نزاع و خلاف
 کی ایک عظیم تدریج لئے ہوئے ہے۔ اسے کسی بھی عنوان سے اجاگر کیا جائے
 اس کے معنی نزاع و خلاف کی تجدید ہی کے نہیں گے۔ خواہ اس پر تاریخی تدریج
 کا ایسا پیکر یا جائے یا اسے علی کاوش اور تحقیقات کا عنوان دیا جائے۔
 ان صدیوں کے بعد اس نزاعی حادثہ کے سلسلہ میں بطور و میراج ہی کے
 سہی کسی بھی تدریج کی حمایت و مخالفت پر نہ دیا جائے۔ یا فرقتیں میں سے کسی
 کو بھی دوسرے کی جگہ پر رکھ دیا جائے و نزاع ہی رہے گا اور نزاعی اصول
 ہی دونوں میں ملا کر رہے گا۔ پھر اس کا نہ عمل کننا بھی حق بجانب و اعتدال

تھے ہوئے کیوں نہ ہو بصورت نزاع ہی عوام کے سامنے آئیگا۔ ظاہر ہے کہ حقیقت نا آشنا عوام میں یہ صدا حیت نہیں ہے کہ وہ محض صورت نزاع سے کوئی باطل کا یہود کر لیں یا تو وہ نزاع کی اس صورت سے بیزار ہو کر حق و باطل دونوں ہی سے الگ خود کوئی سے اپنا راستہ چمک کر لیں گے اور یا پھر اپنے ذہنی رخ سے کسی ایک جانب ڈھل کر اور دوسری جانب سے دست لگ کر یہاں ہو کر سالیہ نزاع کی تہ سے تجدید کر ڈالیں گے اور یہ دونوں صورتیں جہاں اہمیت کی سالیہ کے لئے تباہ کن ہیں وہیں عقیدہ و مذہب کے لئے بھی تباہی کا ذریعہ ہے یہ کہہ دینا کافی نہیں کہ یہ محض ایک تاریخی ریسرچ ہے اس کا عقیدہ و مذہب سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ اسلامى نقطہ نظر سے تاریخ برائے تاریخ کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ قرآن نے تاریخ کا باب قائم کیا اور جاہل انوک و سلاطین و انبیاء و مرسلین اور اقوام و اہم کے واقعات پر جامع روشنیوں ڈالیں۔ مگر اس تاریخ کا مقصد تاریخ برائے تاریخ نہیں بلکہ حیرت و اعجاب قرار دیا ہے اور عبرت کا حاصل مطلب اقام کے بڑے حقائق و اعمال کی وجہ سے ان کی ہلاکت یا منعم علیہ اقوام کے بچے حقائق و اعمال کی وجہ سے ان کی نجات و کھلا کر انجام کار یا تو کسی صیح مذہبی عقیدہ و عمل کی تقویت یا غلط عقیدہ و عمل کی قلوب سے بچ کنی نکلتی ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ تاریخ سے عموماً اور کسی دینی عقیدہ و عمل کی تاریخ سے خصوصاً اگر عبرت و اعتبار مقصود نہ ہو اور اس خبر کے نیچے کوئی نہ کوئی انشا اور عبرت ناک امر و نہی پر شیعہ نہ ہو تو وہ تاریخ نہیں کہہ سکتے اور اسناد نگاری ہے جس کی شرفا

کوئی اجیت نہیں اس لئے کتاب کو محض تاریخی ریسرچ کے نام سے عقیدہ اور اس سے بے تعلق دکھانا اول تو شرعی نقطہ نظر سے کوئی اجیت نہیں رکھتا۔ دوسرے پھر واقعہ کے بھی خلاف ہے کہ اس تاریخی ریسرچ کا عقیدہ و مذہب سے کوئی لگاؤ نہیں اگر یہ واقعہ تھا تو پھر اس ریسرچ میں باجماعتی روایات آیات و احادیث کو بطور جوہر کے کیوں لایا گیا ہے؟ کیا کتاب و سنت سے بھی عقیدہ و مذہب سے کر کے کوئی تاریخی مواد جس سے افسانہ نگاری میں مدد لی جائے یا عقیدہ و مذہب سے الگ لکھ کر اسے محض تاریخی مواد کے طور پر استعمال کر لیا جائے؟

انفارم یہ ہو سکتا ہے کہ مصنف کتاب کے ذہن میں کچھ تاریخی نظریات پہلے سے قائم شدہ موجود تھے جن کے لئے مؤیدات کی ضرورت تھی سو عقیدہ و مذہب تاریخی ٹکڑوں کا مل جانا کوئی عجیب بات نہ تھی کیونکہ دنیا میں ہر فن کی طرح تاریخ میں بھی مختلف اقوال موجود ہیں اس لئے جو حضرات ذہن کو خالی کر کے تاریخ سے نظریات اخذ کرنے کے بجائے نظریات سے تاریخ اخذ کرنے کے حامی ہیں انہیں موافق مطلب اقوال کا مل جانا تعجب انگیز نہیں لیکن اس کا نام تاریخی ریسرچ نہیں اسے نظر پاتی ریسرچ کہنا چاہیے۔ جیسے فیضان کتاب و سنت کو بھی نظریات میں استعمال کرنے کے حامی حضرات نصوص شرعیہ کا نام لے کر کام نکال لیتے ہیں کیونکہ کوئی نہ کوئی حمایت انہیں موافق مطلب واقعہ آجی جاتی ہے جسے مرقع و قلم سے ہٹا کر کام میں لے آیا جائے تو کام نکل جاتا ہے۔ اس لئے محض روایات سے کام نکال لینا تاریخی یا شرعی ریسرچ نہیں۔

تاریخی ریسرچ کے معنی درحقیقت مختلف تاریخی روایات کو اپنے محل پر

چسپاں کر کے فاقہ کی اصل قدر شرک کا سراغ لگاتا اور مودخ کے اصل رخ کو
نظر انداز کر کے بغیر اصل واقعہ کو نمایاں کرتا ہے۔ ذکر اس سے بہت کڑی تاریکیوں
کا اپنے ذہنی نظریات سے برآمد لگاتا۔

پس جس طرح شرعی ریسرچ کے معنی اس کے سوا دوسرے نہیں لکتاب و سنت
کی مراد کے دائرہ پر نہ کو اس کے معنی گوشوں کو کھولا جائے اور حقیقت انھوں اور
آیات و روایات کو اسی مراد کے خلاف پہنچوں سے وابستہ کر کے ای پر چسپاں
کے دیباہانہ اسی طرح تاریخی ریسرچ کے معنی بھی سی ہو سکتے ہیں کہ مقدمہ اور مستند
مقدمہ میں کے کلام کو ان کے دائرہ مراد میں نہ کر کے وہ کیا کہنا چاہتے ہیں۔ اس کے
خلاف پہنچوں کے حسب اصل تاریخی نقطہ سال کے ساتھ جوڑے جاتے رہیں جس
سے مودخ کی مراد زیادہ سے زیادہ واضح ہو کر اصل واقعہ تفصیل سے سامنے
آجاتے جسے مودخ بتلانا چاہتا ہے۔ اگر مودخ کے خلاف مراد اس کے کلام کے
نکڑوں کو اپنی مراد سے و نظریات پر چسپاں کرنے کی سعی کی جائے تو وہ تاریخی
ریسرچ کے بجائے اپنی نظریاتی ریسرچ ہو جائے گی۔ اور اس سے اپنا مطلب تو
ضرور نکلے گا لیکن تاریخی واقعہ پر وہ خصامی رہ جائے گا۔ جسے تاریخی ریسرچ
نہیں کہا جاسکتا۔ جسے علی ہر حال کہ تاریخ کا ایک نمونہ اگر کسی نظریہ کی پشت پر کھینچ
جائے اور بقیہ تاریخی حقائق اسے اوکھڑے ہوں تو یہ تاریخ نہیں منصفہ بندی
ہے۔ یورپ کے محققین تاریخ کہہ خاص فن ہے کہ وہ ملکوں اور مذہبوں کی تاریخ
اپنے مقاصد اور نظریات کو سامنے رکھ کر ترتیب دیتے ہیں تاکہ قوموں کے مزاجوں
کو پرکھ کر انہیں اپنے مقاصد میں استعمال کر سکیں۔ اس لئے وہ کلیات کو بھی

روایات کی صورت سے پیش کر دیتے ہیں اور ایک خاص نقطہ نظر کے ارد گرد
تاریخی نمونوں کو گھومتے چلے جاتے ہیں اس سے ان کا کام تو نکل جاتا ہے مگر
یاد خود لوگوں کی نگاہ میں مشتبہ ہو جاتے ہیں۔ بہر حال یہ نوعیت واقعات کی
تاریخ کی نہیں ہوتی بلکہ اپنے ذہنی مقاصد کی تاریخ کی ہوتی ہے۔

اس نقطہ نظر کی تاریخ میں بھی چونکہ بنیادی نقطہ نظر پر یہ کو حیرت انگیز
ادنی نوعی ثابت کر کے اس کے مقابلہ میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو عائی اور خراج
کشہ دکھانا تھا۔ اس لئے تاریخ کے متعدد نمونے اپنے سیاق و سباق سے کاٹ
کر اس مخصوص نقطہ نظر کی تائید کے لئے استعمال کر لئے گئے ہیں اور اپنے مزعم کے
خلاف تاریخ کی واضح اور کھلی تصریحات تکسے سے اعراض کیا گیا ہے اس لئے ہم تاریخی
طور پر بھی اس ریسرچ کو غیر مشتبہ اصراف تاریخ کا مقام دینے کیلئے تیار نہیں۔

لیکن محض اخراجات بحث و تنقید کی مقصد نہ تھی۔ دنیا میں ہزاروں تاریخی
غلط اور مشتبہ محسوس گئی ہیں اور بہت سے ارباب اعراض نے تاریخ کے بارے سے
اپنے کام نکالے ہیں لیکن نہ یہاں سب کے ذمہ دار ہیں اور نہ ہم پر دنیا کے ہر
تاریخی نظریہ اور اس کی جہتوں کی تنقید و تحقیق یا تائید و تردید ضروری ہے۔ لیکن اس
ریسرچ کا اثر چونکہ حقائق پر ہے اس لئے اس سے مذہب کے کئے ہی اہم اجزاء
مشتبہ نہ ہوتے ہیں اس لئے ضرورت محسوس کی گئی کہ تاریخی پہلو سے زیادہ اسے مذہبی
اور دینی نقطہ نظر سے دیکھا جائے۔ اور مذہب و عقیدہ واضح کر کے اسی کے معیار
سے اس تاریخ کو رد یا قبول کیا جائے۔ کیونکہ ہم یہ کہہ کر سبکدوش نہیں ہو سکتے
کہ یہ ایک تاریخی ریسرچ ہے اس میں حقائق مذہب کو بے بیسنا غلط بحث ہے

جبکہ یہ تاریخ ہی درحقیقت ایک عقیدہ کی تاریخ ہے۔ اور اس کا ذکر تمدن کا
 عقیدہ ہی کا ذکر ہے اس لئے کسی عقیدہ کی تاریخ کا ذکر کرتے وقت عقیدہ کے
 ذکر کو نہ لایا جاتا اور اس تاریخ کو ناقابل ذکر ٹھہرایا ہے کیونکہ ہر واقعہ طلب
 عقیدہ اپنے واقعہ سے لادھی طور پر وابستہ اور وہ واقعہ اس کی ساتھ لازم ملزوم
 ہوتا ہے جو کسی حالت میں بھی اس سے جدا نہیں ہو سکتا۔ اسی لئے عقیدہ سے
 متعلقہ تاریخ عقیدہ کے میں مطابق ہوتی چاہیے۔ اگر تاریخ عقیدہ کے موافق
 ہے تو وہ اس کی تاریخ اور اس کی تائید ہے۔ اور تائید سے دو لایا جاتا کوئی عقلی
 اصول نہیں اور اگر تاریخ عقیدہ کے خلاف ہے تو وہ عقیدہ کی تاریخ نہیں بلکہ
 اس کی تردید ہے تو اس صورت میں عقیدہ کی عقلی پیش کر کے اس کی مخالفت
 تاریخ کو رد کیا جاتا کوئی بلکہ موقعہ کام نہیں بہرہ و صورت کسی عقیدہ کی تاریخ
 کا ذکر کرنے پر اس عقیدہ کا کسی بھی نوعیت سے ذکر آنا ناگزیر ہے اس لئے اس
 تاریخی دسیرچ کے مسئلہ میں ان دونوں شخصیتوں سے متعلق مباحثات کا ذکر
 غلط سمجھتے نہیں بلکہ ایک ناگزیر تذکرہ ہو گا جس کی رو سے اس تاریخ پر عقیدہ
 کی جائے گی۔ اور عقیدہ و تاریخ میں تعامل کے وقت عقیدہ کو اصل رکھا جائے
 گا اور تاریخ اس کے تابع ہوگی۔

خلاصہ یہ ہے کہ دینی معاملات کے مسئلہ میں عقیدہ سے تاریخ اخذ کی
 جائے گی تاریخ سے عقیدہ نہیں بنایا جائے گا۔ وجہ یہ ہے کہ عقیدہ علماء و رسول
 کی خبر سے بنتا ہے اور اس سے متعلقہ واقعہ کی بنیادیں ہی علماء و رسول ہی کے کلام
 میں یا مندرجہ ہوتی ہیں یا اس کا مستفاد ہوتی ہیں اور دونوں صورتوں میں وہ

معدوس ہی کے حکم میں ہوئی میں جب کہ عقیدہ کے مطابق ہوں اس لئے عقیدہ
 کی تاریخ کے تابع بنادینے کا مطلب یہ ہوگا کہ معاذ اللہ خدا اور سولی کو روک
 کے تابع ہو جائیں جو عقیدہ بھی چلا کر سونے پیش میں ہے۔ یہ عقیدہ تاریخ کے تابع
 نہیں بلکہ تاریخ کو عقیدہ کی پابندی کرنی پڑے گی۔ ورنہ تاریخ کے
 معیار سے اگر عقائد کا رد قبول کیا جائے گی تو وہ عقائد کیا ہونگے فلسفیانہ
 نظریات ہیں انہیں گے جس میں زمانہ کی بدلتی ہوئی تاریخ سے روز بروز بدل
 ہوا کہ سے ظاہر ہے کہ اس طرح مذہب و مسلک شنیدی چیز بن جائے گی
 میں کا اشتہار ضروری ہوگا تاہم میں کسی طرح و سبب و اور نہایت کا یقین
 ضروری رہے گا۔ اس لئے عقیدہ کے خلاف تاریخ تاریخ نہ ہوگی عقیدہ ہلک
 اور عقیدہ کے تحت کے ساتھ اس کا رد کر دیا جائے گا تاہم کی بنیادی شریعتی عقائد
 خصوصیت میں نہ ہوئے اور نیز یہ سے متعلقہ عقیدہ سے ہر لمحہ واقعات
 کی ایک تاریخ وابستہ ہے اور اس تاریخ کا ذکر ہی عقیدہ کا ذکر ہے اس لئے
 شتوں معاوضے کی تاریخیں درمیان کے وقت عقیدہ سے قطع نظر کیا جائے گی
 اور وہی اس کی تاریخ کو عقیدہ سے الگ کہ کے بعض تاریخ کے نقطہ نظر سے
 دیکھا جائے گا۔ بلکہ عقیدہ کے معیار سے تاریخ کی اس کا فیصلہ کیا جائے گا
 جہاں تک سہائی پرستی کی جعلی طاقتوں کا تعلق ہے اس سے تاریخ کو مانا
 کہ کہ ان تعویذ پر دلوں کو چاک کر دیا جائے جو شہد شریعت کی ایک اہم خدمت
 ہے۔ لیکن اتنی تو سہادی طور پر یہ خدمت انجام دے سکتی ہے۔ عقائد ہدایت
 کے اوراق میں جہاں بھی کسی سہائی جہلانی کا وجود نظر آیا تو میں تجلیات

ملتی ہیں کہ یہ جعلی یا مشتبہ ولایت سہانچل کی دسیہ کاری ہے۔ خود جانکر
 ایسا کثیر پیچھے محقق نے بھی ابتداء میں اس واقعات کے تذکرے کے سلسلہ میں کہنے
 ہی صفحہ ۲۱ پر متعلقہ مقامات لکھ کر کے حکم لگا دیا ہے کہ یہ غیر ثابت یا مشتبہ یا
 سیانہ کی جسد ہی ہے۔ صرف ٹھہری ہوئی روایتوں کو قبول کیا جاوے اور اگر کسی
 سہانی کی روایت کی بھی ہے تو یہ بطور الزام کے یا بطور تائید کے اس طرح اور
 حد میں نہ بھی ایسی روایات کے تیقن میں کی نہیں کہ جس سے حد میں گزر جائے
 پر آج بھی باسلیت بمالانہ ٹھہر اور واقعات کی حاصل صورت ملاحظہ کی جاوے۔
 ۳۔ ہم پھر بھی مکرر تائید کے درجہ میں سہانچل کی دسیہ کاریوں کا پورا ہونا
 کیا جاسکے اور ان کے بنیادی مضمرات کو واضح کر کے کی کو حشر کی جائے
 یہ تدریجاً کہ قابل قدر خدمت ہے۔ اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس میں جہاں
 خاصیت کافی خدمت اور حرارتی سے کام لیا جاوے۔ اور بعض تاریخی بیانیہ نقطہ
 میں چسپاں کرنے میں جو اس بارے میں ہنگامہ نہ تھے۔ لیکن چھ نکہ ساری
 خدمت ایک خاص نقطہ نظر کو سامنے رکھ کر کی گئی ہے اس لئے اس میں تاریخی بیانیہ
 کے ساتھ ساتھ نظریاتی و سیرج بھی شامل ہوئی ہے اور روایت و قیاس میں فرق
 کی مشکلیں ہو گئی ہیں۔ ظاہر ہے کہ اگر وہ نظر نگری میں شامل ہو تو یہ نقطہ تاریخی
 و سیرج بھی اسی صنف میں کام ہو جائے گی نیز سہانچل کے رد کا تو مضائقہ نہ
 تھا مگر وہی کی حد تک ذکر و نقل کی حد تک حد کی تہری اس حد تک صحیح
 ہوتی کہ جو اس نے نہ کیا ہوا ہے نہ کیا ہوا ظاہر کیا جائے لیکن اس حد تک کہ جو
 اس نے کیا ہے اس کا بھی انکار کر دیا جائے تاریخی تہدی ہے نہ چسپاں اگر نسق

اٹھایا جاتا بشرطیکہ اٹھ سکتا ہو تو کوئی حرج نہ تھا لہذا اسے خلفائے راشدین میں
 شمار کر دیا جاتا۔ تاریخ سیرت میں نہیں بلکہ تاریخ کے علی الرغم وہ بھی نظر پڑتی رہے سیرت
 ہے۔ حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی روانگی کوئٹہ یا مغلطہ واقعات کے
 سلسلہ میں اگر کسی پہلو کی کوئی خطا اجتہادی ان کی طرف منسوب کر دی جاتی تو ان
 کی شان عالی کے منافی نہ ہوتی۔ لیکن ان کی ذات اقدس کو حسب جاہ و ہوس تہذیب
 سے سہم ٹھہرانا تاریخ نہیں بلکہ وہی ذہنی منصوبہ بندی ہے۔ غرض یزید کی حمایت
 میں بعد مدہ ہو کر حضرت امام ہمام کی خدمت پر اثر۔ نامہ کوئی تاریخی رہے سیرت
 ہے نہ مذہبی اور نہ دینی خدمت کے لئے پڑتی نہ شکوئی میں اپنی ناک کاٹ بیٹھنے کے
 حروف سے بیٹھنے سے حملہ حریف ہر نہیں کہا جاسکتا کہ آدمی فریق مخالف کا
 رو کر کے کہتے خدا اپنا بھی رو کر جائے۔ اس لئے سہائیت کی تردید کو بلاشبہ
 تاریخی خدمت تھی مگر نقد میں اگر ناخصیبت کی تائید کرتے تو یہ رہتی ہے نہ تائید
 مگر اس کو واضح ظاہر ہے کہ اس بارہ میں فریبہ اہل سنت والجماعت سے ہٹ
 کر تائید تردید کی راہ اختیار کی گئی ہے تو پھر اعتدال کہاں عیسر آسکتا تھا۔ مسلک
 اعتدال تو صرف نصیب اہل سنت ہے جس میں نہ سہائیت ہے نہ نصیبت نہ
 شیعیت ہے نہ ملاحیت ہے۔ اس کے دائرہ میں حرج ہو یا ذمہ ہر ایک کی حدود میں
 اور وجوہ انہیں میں محدود نہ کر دیا۔ دوم ممکن ہے۔ اس سے ہٹ کر حدود ہی
 قائم نہیں رہ سکتیں کہ حد و ذمہ میں افراط و تفریط سے بھاؤ ممکن ہو۔ چنانچہ اس
 کتاب میں جگہ جگہ ایسی فقرہ شیں ملتی ہیں جو مذہب اور تاریخ دونوں کے لحاظ
 سے نقطہ اعتدال پر نہیں ہیں۔ اور ان پر کافی کلام کرنے کی گنجائش ہے۔ چنانچہ

متعدد فاضلوں نے اس کتاب کے مختلف گوشوں پر کلام کیا بھی ہے۔ بالخصوص
 اس کتاب کے بعض اہم پہلوؤں پر حضرت علامہ محمد مفتی دارالعلوم دیوبند مولانا
 سید مہدی حسن صاحب دامت فیہ ضمیمہ لے اپنے ایک مقالہ میں سیر حاصل بحث
 فرمائی جو سوز غنائت و محنتاً نہ دروندنگ لکھے چرچے ہے۔ اور اس سے بڑھ کر
 کتاب کی تکیہ کی ریسرچ کی نوعیت کھل کر سامنے آجاتی ہے۔ یہ مقالہ بھی شبہ
 نشو و نما سے دارالعلوم سے شائع ہوا ہے اسی طرح اور حضرت کے بھی اس
 کتاب پر اپنے اپنے نگاروں میں کلام ہے جس سے اس کتاب کے مغز و کھل کر سامنے
 آسکتے ہیں۔ لیکن میرا مقصد اس مختصر مقالہ میں نہ پوری کتاب پر تنقید ہے خاص کے
 نام مباحث پر مدد و قوت ہے۔ صرف کتاب کے بنیادی حصہ حسین و پادشہ کے
 مسئلہ میں شرعی حیثیت اور مذہب اہل سنت والجماعہ کو سامنے رکھ کر کلام کیا
 ہے۔ ضمنی طور پر اگر کوئی تاریخی بحث سامنے آئے گی تو وہ ضمنی طور پر استطراد ہی رہے گی
 جس کا اصل موضوع سے نہیں بلکہ مقتضیات موضوع سے تعلق ہوگا ہیں جیسا کہ
 صاحب نے کوئی پریشانی ہے نہ ہم ان کی دنیا میں تاریخ میں بلکہ ای کے اور
 اپنے حق میں راہ مستقیم اور اس پر چلنے کے خواہش ہیں۔ البتہ جہاں تک مسلک احمد
 اور عقیدہ کا تعلق ہے اس میں خلاف مسلک حق جب کوئی بات سامنے آئے تو یہ فریاد
 ہے کہ ہم اس پر اپنے پیچھے نہیں کی سنگ راہ مستقیم دکھانے میں ہم مدد دینا چاہتے ہیں۔
 اگر بغیر کامیاب ہوا اسے اگر خاموش نشین نہ ہوا
 میں ماننا ہوں کہ اس زمانہ میں کوئی اپنے خوف کسی کی کھٹنے اور انصاف
 نہیں۔ لیکن سامنے سامنے سے قطع نظر کے یہ محض اپنے فرض کی بات ہے۔

اگر آج کسی کی سمجھ میں نہ آیا تو کل آئے گا کیونکہ نظریات بننے اور گہرنے والے
 ہیں اور دنیا اپنی جگہ قائم رہنے والے امور غنائی و مذہبی ہیں اسی لئے انجام
 کار حسبِ تفسیرات نہ سے نظریات کی عمارتیں منہدم ہوتی ہیں تو ہر گز عقیدہ و
 مذہب ہی کی بامیداری میں پناہ دیتے ہیں و باللہ التوفیق

عجائبِ حیات

عجائبِ حیات کا مطالعہ نظر جو کہ بڑی بڑی کو حقیقت پر حق بلکہ حشرانی و کسوتیں
 کا ذاتی اور سیاسی کردار سے عجیب و غریب بنا تھا تو اس کا انداز ہی نتیجہ ہی تھا کہ
 اس کے مقابل سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو جو اس کی بیعت کو اس کے فسق
 اور بے اعتدالی کی وجہ سے کسی طرح گوارہ نہیں فرماتے تھے۔ ذاتی اور سیاسی
 کردار کے لحاظ سے پسند اور اخلاق و اوصاف کے لحاظ سے معاذا اللہ و اعذار
 ثابت کیا چلتا۔ ورنہ اس مقابل کے ہوتے ہوئے اگر وہ ذرا بھی حسین رضی اللہ
 عنہ کے مناقب کے بارے میں چلک نہا ہرگز تو بیزید کے دعویٰ کو وہ تعزلی
 و علمائے کی غیر نہ تھی۔ اس لئے انہوں نے اس میزان کے دو پلوں میں ان
 کو بچھا کر بیزید کا پلہ تو اخلاقی و عملی خوبیوں سے وزن دار بنا کر بچھا دیا اور جس
 کا پلہ فضائل و مناقب اور عام اخلاقی و عملی خوبیوں سے غالی اور سبب وزن
 دکھلا کر اوپر اٹھا دیا تاکہ امت کا وہ ذہن جمل جاتے جواب تک اس کے
 برعکس قائم شدہ تھا۔

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ

پہنچے اس کتاب کے بارے میں جو سیدنا حسین رضی اللہ عنہ سے متعلق
 میں نازل ہوئے ہیں کہ جو عباسی صاحب نے ان کے بارے میں میں منسوب کیا ہے
 یہ بے بنیاد پر وہ بحث کو ناچاہتے ہیں۔ ایک حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی صحابیت
 کا مستحب و مقام دور سے ان کا ذاتی کو دیکھو عادت و معاملات اور تیسرے
 ان کی افتاد طبع اور مزاج کی قدرتی ساخت۔ ایک انسان کو پرکھنے کے یہ تین
 مقامات ہوتے ہیں محمود صاحب عباسی سے میں نہیں واقف ہوں و اخبار بنائے
 کی نامور و سعی کی ہے جس کے پسند پورے بطور مثال کے حسب ذیل ہیں۔
 ۱۱ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی صحابیت کی نفی کرنے کے لئے ان کی عروا کی
 نبوی کے وقت پانچ برس کی دیکھا کہ عباسی صاحب لکھتے ہیں۔
 اتنی چھوٹی عمر میں نیز کی عمر نہیں ہوتی۔ بعض باتوں کے لئے ان کے
 بڑے بھائی حضرت حسن کو جوان سے سال بھر کے قریب بڑے تھے زمر
 صحابہ کے بجائے تابعین میں شامل کیا ہے۔

تحذیر معاویہ و یزید ص ۱۱۱

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے اعلیٰ ترین کمالات و حقیقت آثار و موازیم
 صحابیت تھے میں کائنات کمال ایمان و تقویٰ کمال عرفان و علم کمال فہم و فراست
 کمال اخلاص و ولایت اور کمال اخلاق و مقامات ہے۔ اس بارے میں عباسی
 صاحب کا دوسرا مشعور یہ بنا کہ انہیں یزید کے خلاف جو عباسی صاحب کے

زعم میں متفق علیہ امام تھا خود ج و بھادرت کے جرم کا مرتکب گردان کرادان
کے سفر کوڈ کو متعدد غلطی کی زد و زریوں پر غول کر کے انہیں واعدہ بنانے کی سعی
کی جاتے۔ کیونکہ اسی توہم پرستے نتیجہ نکل سکتا ہے کہ حضرت امام کی ذات بھی
سوت شہادت نہ ہو جبکہ وہ ایک خلیفہ برحق کی بھادرت میں اس کا مقابلہ کرتے
ہوتے مارے گئے۔ ان غلطی اور شرعی براہم کے چند نمونے جیسا ہی صاحب
کے الفاظ میں ملاحظہ ہوں۔

(۲) اپنی دلالت میں حضرت حسین خلافت کا اپنے کو زیادہ مستحق سمجھتے
تھے اچانک اپنا حق تسلیم نہ کرنا چاہتے پر واجب کر چکے تھے۔ مسلم کے واقعہ
سے آپ نے یہ صیغہ اختیار کیا تھا کہ اس حالت میں کوڈ جانا مفید
مطلب نہ ہو گا۔ مگر آپ کے ساتھیوں کو فیروں نے جب آپ کو پھر
مزید دی اور یہی دلائل آپ کی شخصیت مسلم کی طرح نہیں ہے
آپ کی صورت دیکھتے ہی لوگ آپ کی طرف دھڑکیں گے۔ حصول
مقصد کے جذبہ نے حرم و احتیاط پر غلبہ پالیا اور جس طرح اپنے
دھڑروں اور عزیزوں سے عاقبت اندیشانہ مشوروں کو نظر انداز
کر دیا تھا اور کو فیروں کے موافق پر بھر دیا کہ کہ سے روانہ ہو گئے
تھے وہی خوش فہمی اب بھی آگے بڑھنے کی حرکت ہوئی۔ آزاد
مورخ ڈفڈی نے لکھا ہے کہ ان کو فیروں کے خطوط و مراسلات کے
مذہب پر موافق پر انہیں ایسا اعتماد تھا کہ لوگوں کے سامنے فخری
پیش کرتے تھے

انکے ڈوڑی کے الفاظ میں عباسی صاحب فرماتے ہیں جس کا
 ایک فقرہ یہ ہے، حسین کے دورانہش دوستوں نے لاکھ
 رحمت سما جنت کی کہ ایسی خطرناک مہم کے اندر ناقبت اندیش
 اپنے کو جو کہم میں نہ ڈالیں اور ان لوگوں کے معاہدہ اور معنوی
 جوش و ولولہ پر اعتماد نہ کریں جنہوں نے ان کے والد ماجد سے
 دغا کی تھی انہیں دھوکہ دیا تھا۔ مگر حسین نے خب جاہ کی ہنگ
 ترغیبات پر کان دھرنے کو ترجیح دی اور ان لاتعداد مخلوط
 دعوت ناموں کی فخریہ حکومت نائش کرتے رہے جہاں کو موصول
 ہونے لگے اور وہی تعداد جیسا کہ شیخی سے کہتے تھے ایک اوٹ
 کے ہر جہ کے مساوی تھی۔

خلافت معاویہ ویزیر ۱۶۵۱ھ

اس عبارت میں سیدنا حسین رضی اللہ عنہ پر والست کی کمزوری جماعتی
 منصب کو ذاتی حق سمجھنا۔ مطلب برادری کا جوش۔ ناقابت اندیشی۔ بے بنیاد
 خوش اعتمادی۔ فخر و خود ستائی۔ حب جاهہ نائش پسندی۔ قیمتی ہادی وغیرہ
 کے الزامات عائد کئے گئے ہیں۔

ایک موقع پر ڈوڑی کے الفاظ میں جوتے ہوئے عباسی صاحب فرماتے
 ۳۱ "مشہور شورش ڈوڑی کا ایک فقرہ اس بارے میں قابل لحاظ ہے
 وہ یہ تھا ہے۔

اختلاف یعنی آنے والی قسملوں کا عنوان یہ شعار ہے کہ وہ ناکام

مدعیوں کی ناکامی پر جذبات سے مطلوب ہو جاتے ہیں اور بسا اوقات انصاف قوی اس اور ایسی خانہ جنگی کے ہوساک خطروں کو نظر انداز کر دیتے ہیں جو ابتدائے شروع دی گئی ہو۔ یہی کیفیت اختلاف کی حضرت حسین کے متعلق ہے جو ان کو ایک ظالمانہ ہرم کا کٹر تیاں کرتے ہیں۔

ایرانی شدید تعصب نے اس تصویر میں خود خال بھرے اور حضرت حسین کو بجا ہے ایک معمولی قسمت آزمائے جو بک انوکھی لغزش و غلط فہمی، در قریب قریب غیر معقول محبت جاو کے کارن طاقت کی جانب تیز گامی سے رواں دواں ہوں، ولی اللہ کے روپ میں پیش کیا ہے۔ ان کے مجددوں میں اکثر و بیشتر انہیں ایک عمری نظر سے دیکھتے تھے وہ انہیں عہد شکنی اور بغاوت کا تصور دار خیال کرتے تھے۔ اس لئے کہ انہوں نے حضرت معاویہ کی نافرمانی میں بڑی کی (ولی عہدی) کی بیعت کی تھی اور اپنے حق و خواہے خلافت کو ثابت نہ کر سکے تھے۔

(خلافت معاویہ و زید علیہ السلام)

اس عہد کے میں سیدنا حسین کو ناکام مدعی، معمولی قسمت آزا، جوانی مطلب ہمدردی کے لئے جائز و ناجائز کی بھی پر جاہ نہ کرتا ہوں، بناوٹی ولی اللہ ہے دانش محب جاہ عہد شکن (غدار) باغی، تھے دلیل و معیار کے لقب دئے گئے ہیں۔

ایک موقع پر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو یزید کے ساتھ میں خروج و بغاوت کا جرم ظہور کرتے ہوئے اپنی تائید کے لئے حضرت محمد بن الحنفیہ کا مقابلہ پیش کرتے ہیں کہ وہ بھی اس سفر کو فوج کو خروج اور طلب حکومت کا ایک سیاسی اقدام سمجھتے تھے جو نابالغ تھا لکھتے ہیں کہ:-

(۴) حضرت حسین کے ان بھائی اور حضرت علی کے ایسے ہی بھائی اور شیعیں زائد و عالم فرزند محمد بن الحنفیہ کا امیر یزید سے بیعت کرنا اس پر مستقیم رہنا اور باوجود خلافت کی پیش کش کے اپنے ولایت سے حشاش نہ کرنا ان کے بار بار اصرار کرنے پر نہ خود ساتھ دینا اور نہ اپنے فرزندوں میں سے کسی کو بھی ان کے ساتھ ہانے دینا آخر کس بات کا ثبوت ہے؟ صاف ظاہر ہے کہ وہ بھی تمام دیگر صحابہ کرام کی طرح اس خروج کو طلب حکومت و خلافت کا ایک ایسا سیاسی مسئلہ سمجھتے تھے جو مقتضی زمانہ اور احکام شریعت کے اعتبار سے جائز اور مانع مباح تھا۔ اختلاف معاویہ و یزید مثلاً۔

اس جہالت میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ پر خروج و بغاوت اور نصیحت دینا سے کئے گئے کوئی سیاسی استدلال یا لینکس کا غلبہ۔ طلب حکومت و اقتدار اور خلاف شرع اور خلاف عقل اقدامات کے الزامات عائد کئے گئے ہیں ظاہر ہے کہ ایک شخص جب خلاف شرع اور خلاف حق رٹے تو اس کا قدرتی نتیجہ اس کے سوا اور کیا نکل سکتا ہے کہ اس کی لڑائی نفسانی ہوا اور اس کی موت شہادت نہ ہو۔ گویا لڑائی شہادت حسین علیہ السلام

ہی اس عبادت میں موجود ہے۔

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی افادہ طبع اور مزاج کی سادگی کے سلسلہ میں ایک موقع پر ان کا حضرت حسن سے تقابل ڈالتے ہوئے ابداء طبری سے ان میں جتنہ بندی کی خواہش کا اور جھگڑا تو قسم کے لوگوں کی ہی غصہ میں ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ جیسا صاحب لکھتے ہیں۔

۱۵. حضرت حسن ہمیشہ جتنہ بندی سے علیحدہ رہے اور صبح و صلاحت کے

لئے کوشاں، بخلاف اس کے ان کے چھوٹے بھائی کے باپ کا یہی

ایک واقعہ خود اہم کی زبانی اصحاب تاریخ و سیر لکے بیان کیا ہے۔

حضرت حسین فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ

عزما اپنے نمائندہ خلافت میں جب کہ مسجد نبوی کے ممبر پر غلبہ دینے

کے لئے کھڑے ہوئے میں نے اس سے کہا کہ آپ میرے نانا جان کے

ممبر سے آج جائیے اور اپنے باپ کے ممبر پر چلے جائیے۔

اختلافات صحابہ و سیدہ ص ۱۹

یہ اللہ اس قسم کی باتیں جو اس کتاب میں ملتی ہیں ان کو پڑھ کر حسین رضی اللہ

عنه کے بارہ میں بحیثیت مجموعی پڑھنے والے پر اثر یہ پڑتا ہے کہ وہ ایک معمولی

و نیا دار قسم کے آدمی تھے۔ نہ ان کا اخلاق و عیا تھا نہ کردار بلند نہ قلب و

اخلاق کا رخ صحیح تھا نہ نیت ہی بخیر تھی۔ نہ ان کے مقاصد صحیح تھے نہ طریق

درست۔ حواس الناس کی طرح خوب جاہ و مال میں گرفتار تھے۔ موقعہ پڑا تو ذرا

زنی کر کے سرکاری مال لوٹ لیا، وقت آ پڑا تو عہد شکنی کر کے خدائی پر کھرباندھ

لی۔ جزیہ کیا تو ہے سوچے سمجھے مقابل پر باپ سداور لڑنے مرنے پر آمادہ ہو گئے
مطلب بکری کے جوش میں بائو رہا تو نہج کی پرواہ نہ کی۔ پھر غصہ میں اس
میں وقت کی پیداوار نہ تھیں بلکہ پھر ہی سے طبیعت کی افتاد بنی ہوئی تھیں اور
تو کہیں ہی سے لاکھ میں پھٹ پھٹاتی چلی آ رہی تھیں۔

آج اس دور میں انھیں جتہ بند اور آج کل کی اصلاح میں پارٹی پارٹیکس۔
کامادی اور سیاست میں پارٹی فیلنگ کا شکار بنانے کا حاصل ہے جس کا نام
حسین کو بس ایسا ہی ہے جو جیسا کہ اس زمانہ کے مطلب پرست سیاسی لیڈر ہو
ہیں جس کے ذریعہ وہ جسے قابل اطمینان ہوتے ہیں وہ معاہدے لائے اعتبار
مطلب اصل یہ ہے اور اس کے مقابلہ میں طاقت و دیانت اور مردہ کا کوئی
سوال درمیان میں نہیں ہوتا۔ الیہذا باللہ۔

افسوس ہے کہ عباسی صاحب کو انچلاور ڈوڑی وغیرہ کی تعبیرات سے
امگ ہو کر نفس فاقہ کے سلسلہ میں کوئی بھی ایسا عمل حسن یا خیر نہ لگا کہ
حسین کی خدمت کم از کم مجروح تو نہ ٹھہرتی جو دیکھی حمایت میں یہ غلو کہ حسین کی
فات کو داغ دہانے کے لئے تلاش کر کر کے واقعات کے برے محل چلی گئے
ہاں میں ممکن ہے کہ ان کے نزدیک یہ بھی تاریخی سرسیر کہ کوئی باہم گوشہ ہو لیکن
نہ کے لحاظ سے اے انتہائی افسوس ناک غلطی کہا جائے گا۔

بہر حال ان پانچ نمبروں سے جو مطلوبہ امور میں عباسی صاحب کے الفاظ
میں پیش کئے گئے ان کا مطلع نظر اور تقریب حضرت مسیح رضی اللہ عنہ کی صحبت
کہ دار اور مرزا کے بارہ میں کھل کر سامنے آ جاتا ہے۔ رپورٹ کہ اہل سنت و جماعت

کے قضاہ محمد میں تشکیل اور محقق اور باب تاریخ اس بارہ میں کیا کہتے ہیں ؟
سو مہر و نشانہ ذیل پر نظر ڈالئے جس سے اولاً صحابیت حسین کے مسئلہ پر وطنی
پڑے گی جس کی نفی عباسی صاحب کا منصوبہ ہے ۔

پہلا منصوبہ

صحابیت حسین [حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی سب سے بڑی فضیلت بلکہ اہل الفضل
صحابیت تھی، سو عباسی صاحب نے اس کی نفی کا ایہام کر کے دلوں میں اسے
شکوہ اور شبہ بنا دینا چاہا ہے۔ اور بڑی ہوشیاری کے ساتھ ان کے صحابی
ہونے کی نفی کا یہ وہ ذہنوں میں جھگڑا دینے کا نامور سعی کی ہے۔ چنانچہ وہ اس
نبوی کے وقت وہ ان کی عمر پانچ سال کی دکھلا کر اپنی کتاب در خلافت معاویہ
ذیل میں رقمطراز ہیں ۔

” اتنی چھوٹی سی عمر سن تیز کی عمر نہیں ہوتی۔ بعض مائتہ نے تو ان کے

بڑے بھائی حضرت حسن کو جو ان سے سال بھر کے قریب بڑے تھے

فرد معاویہ کے بچائے تابعین میں شامل کیا ہے۔ (خلافت معاویہ ص ۱۳۱)

عباسی صاحب نے اپنی عبارت کو یہاں پہنچ کر ختم کر دیا ہے تاکہ لوگ اس سے

یقیناً ہی تصور خود اندہ لیں کہ جب حضرت حسن بھی امام احمد بن حنبل کے نزدیک

صحابی نہ ہوئے تابعی ہوئے تو حسین تو بطریق اولیٰ تابعی ٹھہریں گے جو عمر میں ان سے

بھی ایک سال کم تھے اس دعوئے اور اس سے لازم آمدہ عباسی تصور کی دلیل

کے طور پر عباسی صاحب نے ایک تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی نفی

حضر کا کوئی کلمہ جس سے حضرت حسین کی عمر کا پانچ برس میں منحصر ہوتا تھا
ہو یا اس سے اخذ کر کے یہ صرف "ولاد" دعوئے کیا جانتے بلکہ ہے تو لفظ "ولاد" صرف
کی ضد موجود ہے حافظ کی اصل عبارت جو عباسی صاحب ہی نے غلطی سے
کے مسئلہ پر نقل کی ہے یہ ہے -

امام الحسن بن علی بن ابی طالب علی
الہ علیہ وسلم خمس سنین او
حضرت حسین نے بنی کریم علیہ السلام
دس سال کی عمر تک سے پانچ برس یا اس
غیر ہاں لکھا یہ ملاحظہ -

ظاہر ہے کہ اصل بات میں غور کیا کرتے ہوئے اخذ کردہ دعوئے میں پانچ
برس کے ساتھ لفظ "صرف" بڑھا دیا اصل پر اضافہ ہے۔ جو اصل عبارت
کی تحریف کو مستلزم ہے جس کو تاریخی مصیبت کا عنوان دینا عباسی صاحب ہی
جیسے محقق کا کام ہو سکتا ہے۔

بہر حال غور کیا کہ لفظ سے حافظ کی عبارت میں یہ گمانش ضرور نکلتی ہے
کہ حضرت حسین کی عمر کے سال متعین کرنے میں جہاں ابن کثیر کی صراحت
کے مطابق پانچ برس ملے جاسکتے ہیں وہیں ان کے اشارہ کے مطابق پانچ کے
علاوہ بھی کوئی دستاویز جاسکتی ہے اگر ثابت ہو جائے کہ اوپر عباسی صاحب
کا لفظ "صرف" بھی کچھ اس طرف مشیر ہے کہ انہیں حضرت حسین کی صحابیت
کے مانتے میں پانچ سال کی عمر بقید "صرف" ہی رکھتے ہیں ہوتی ہے۔ گویا
اگر پانچ سال سے زائد کی عمر ثابت ہو جائے تو پھر انہیں بھی شاید صحابیت حسین
کے تسلیم کر لینے میں کوئی تاخیر نہ ہوگا۔ سوال کا یہ مطلب دفع ہو سکتا تھا اگر

وہ تاریخی روایت کے سلسلہ میں کتاب کفایۃ الخلیب کی حسب ذیل عبارت
 بھی پڑھ لیتے جس میں خلیب بغدادی صوابیت کے لئے بیس سال کی عمر
 کی شرط کو رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

وَمَكَانُ السَّعَاءِ لَا يَعْلَمُ إِلَّا بَعْدُ
 اور اگر طریت کہہ، یہ ہیں، سعاد میں برس کی
 اَعْتَصِرْ بِسَقَطَتِ رِوَايَةُ كَثِيرٍ
 غریب روایاں جسے بڑا تو مستعد ہیں، بل علم
 مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ سَوِيٍّ مِنْ حُرِّ
 کی روایت ساقط الہام ہوا بلکہ جو حضرات
 لِيُعَادِلَ الصَّابَةَ مَعَهُمْ حَقًّا
 صواب کے ساتھ بھی رہا صواب روایت، شاید کہنے لگے
 عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
 یہاں وہ حضرات صواب چھوڑ دے یا کرم طاعت
 فِي الشَّعْرِ فَقَدْ مَرَّ بِهَا الْحَسَنُ
 عید علم کے صوفی میں لدا نہیں غفلت لکھیں
 بَنِي عَلِيٍّ بْنِ أَبِي هَالِبٍ مِنَ النَّبِيِّ
 چنانچہ حضرت حسن علی علیہ السلام کی صاحب نے
 صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَوُلْدُهَا
 بنی محمد الشریعہ دسم سے لے کر چک ہے وہ ایک
 سَنَةِ اثْنَيْنِ مِنَ الْهَجْرَةِ وَكَذَلِكَ
 اس کی وجہ سے سنہ ہجری میں سنہ ۱۰
 عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الزُّبَيْرِ مِنْ أَعْوَامِ
 یہ بھی عید غصہ بن زبیر بن العوام
 وَاسْتَعَانَ بِهِمْ بِشَيْخٍ وَابْنُ الْفَضْلِ
 اور انہوں نے کثیر روایت لکھیں کہانی اور
 لَكَائِي وَالسَّابِقِ ابْنِ مَيْدِلٍ وَ
 صاحب بن یزید، مسور بن حرمت ۳۴۰۔

مسور بن حرمتۃ اتمقی۔ ان کے کہنا یہ خلیب صواب ہوا، جی حد سادہ نصیر۔

اس سے ایک ترقی ثابت ہوا کہ صحابہ کے سوا بھی غیر صحابی صحیفہ السن اہل
 علم کی روایت معتبر ہے تو صحیفہ السن اہل علم کی روایت جس کی بنیاد صحابیت پر
 ہے بطریق اولیٰ مقبہ بلکہ واجب الاعتبار ہے۔ دوسرے پر واضح ہوا کہ سن صحابہ

کی روایت کا معتبر ہونا ایسا مسلمہ ہے اور بدیہیات فن میں سے ہے کہ وہ بحث
 ہی میں نہیں آسکتا بحث اگر ہو سکتی تھی تو حیر صواب صغیر الحسن میں ہو سکتی تھی
 لیکن کم سن صحابہ کی روایت پر قیاس کر کے ان کی روایت کا اعتبار بھی ثابت
 کیا جاسکتا ہے جب کہ ان کی استعداد کے مناسب حال، حوالہ اور سماع و روایت
 کے واقعات سے استفادہ میں حاصل ہے نکلا کہ خود دس سال صاپہ کی ولایت متیس
 علیہ کا ویر رہتی ہے اور متیس علیہ مسلمات میں سے ہوتا ہے جس پر قیاس کر کے
 ماہیت کے کم سن اہل علم کی ولایت کا اعتبار بھی قائم ہو سکتا ہے اور میر سے یہ بھی
 ثابت ہوا کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ سیدہ جکی پیدائش میں جس سے ان کی عمر
 وفات نبوی کے وقت آٹھ سال کی ثابت ہوئی ہے اور جب کہ حضرت حسین
 ان سے ایک سال چھوٹے تھے تو ان کی عمر سات سال ثابت ہوئی۔ اس روایت
 کو سامنے رکھ کر عباسی صاحب کو اس شخص عمر کی وجہ سے حضرت حسین کو صحابی
 تسلیم کر لینے میں تامل نہ ہونا چاہیے تھا کہ وہ تو صرف پانچ سال کے تھے اب
 وہ اپنے لفظ صرف پر تکیہ کرتا ہے کہ میں کو مطلقاً ابن کثیر نے تو ذکر نہیں کیا بلکہ
 ادھر ان کے لفظ سے اس سے زیادہ عمر کی گنجائش دی ہے اور وہ خطیب بغدادی
 نے حضرت حسن کی عمر آٹھ سال کی ثابت کر کے اسے رد کیا ہے۔ اگر اس تاریخی
 و میری کے زمرہ میں خطیب کی یہ روایت سامنے آجائی تو شاید عباسی صاحب
 نہ لفظ صرف لکھنے کی جرات کرتے اور نہ شاید حضرت حسین کی صحابیت میں
 کسی شک و شبہ کو گنجائش دیتے کیونکہ سات سال کی عمر بچک کے عرف میں
 شعور اور سمجھ کی عمر سمجھی جاتی ہے جس میں بچہ خطاب کو بے تکلف سے اور سمجھ

لیتا ہے اور اسی لئے اس عمر کے ہر پر تربیتی روک ٹوک سخت کہ دی جاتی ہے
اور اسے حواشیہ و تالیخ دیکھ کر ڈرانا دھمکیا جاتا ہے۔ شاید ہی لئے حدیث
نبوی میں سات سال کی عمر کے بچہ کو نماز کا حکم کرنے کی جاہلیت لڑائی گئی ہے
کہ وہ سن خیمہ شعور کو پہنچ جاتا ہے۔

مُسَدِّدِ اَمِّیَّا لَمْ یُکَلِّمْ بِاَلْصَّلٰوةِ اِذَا
اَبُوْهُ یُحْمِلُوْنَ کُوْفَارَہُ کَحِمْ وَّوَجِبَ اَنْ یُّوَدَّ
بِیَسْرِ اَوْ یُجْعَلَ (حدیث)

بوس کے ہو ہدیر۔

غالباً اسی لئے ما نکاہ ابن کثیر نے نفس سیمین کے بعد از خود حاکمہ اپنی
عبادت میں بڑھایا ہے کہ ان کی نظر میں پانچ سال سے فائدہ عمر کی بھی کوئی روایت
جوگی اور نکر ہے کہ کفایت الخلیف ہی کی پید فایت، یا اسی قسم کی اور دوسری
روایتیں ہوں جن سے صرف نظر نہیں کیا جاسکتا تھا لیکن عباسی صائب کی
دسیرچ والی تاریخ نظر کفایت الخلیف تک تو کیا پہنچتی ابن کثیر کی روایت کے
اس خود کے کلمہ تک بھی نہ پہنچتی ہے وہ خود بھی نقل کر رہے ہیں اور اس کا
ترجمہ بھی کسی حد تک صحیح کر رہے ہیں اور پہنچتی تو اس طرح کہ اس روایت کا مفہوم
و اگر تے وقت نہ صرف یہ کہ وہ خود باہ کو اڑائے بلکہ اس کے بجائے اپنے دلوں
میں وہ صرف وہاں لڑے تاکہ اس تنہائش کی کلی نفی ہو کہ حضرت حسین کی
عمر پانچ سال میں مختصر اور محدود ثابت ہو جائے اور انھیں کسی نہ کسی طرح
کسی کی جہد پیش کر کے صحابیت کے زمرہ سے نکالنے کا موقع مل جائے
مکمل ہے کہ اسی کا نام اصطلاح میں تاریخی دسیرچ ہو۔

لیکن اگر وفات نبوی کے وقت حضرت حسین کی پانچ ہی سال کی عمر

کہ رسول کی صحت اٹھائے آپ کی باتیں شعور کے ساتھ سمجھنے اور آپ کے فیضانِ نبوت سے شعوری طور پر ہم وقت مستفید ہر جس کے آثارِ مجرب میں واقفیت کی صورت سے سامنے آئیں تو فی دلائل کے علاوہ اس دور کے احوال کے لحاظ سے بھی یہ کوئی مستبعد بات نہیں کہ اس کے پانچ سالہ شعور پر یہ اتنا ہر دایت بھاری ہو چکا ہو کہ اسے دنیا کے عام حالات پر قیاس کر کے کہہ دیا جائے کہ اتنی چھوٹی سی عمر میں تائیز کی عمر نہیں ہوتی، حالانکہ یہ گفتگو جو عام راجوں کے عمومی حالات کی نہیں ہے بلکہ ایک خاص دور کے خاص افراد کے بارے میں ہے لیکن میں عرض کر چکا کہ اگر عمومی احوال اور جو شخص دنیا کے مرد و عورت کو سامنے دکھا جائے تب بھی دنیا کے ہر دور میں جہاں عام احوال ہوتے ہیں وہاں خصوصی احوال استثنیات بھی ہوتے ہیں۔ سب کو ایک بلاشی نہیں بلکہ جاتا۔ بعض بچے ابتدائی عمر سے دکھاتے دکھاتے شعور بھیا غیر معمولی سے کر پدا ہوتے ہیں کہ بڑی عمر اسے ان کی باتیں سن کر تیراں رہ جاتے ہیں۔ دوسرا جائے قیاس کے دور میں بھی اس کی مثالیں مل جائیں گی۔

پھر مال جیسی صاحب نے حضوتِ مسیح کی پانچ سال کی عمر کو گزارش اسے پانچ ہی میں مختصر کر لیا کہ یہی رازِ ازلہ پانچ کی فنی کر کے اگر حضوتِ مسیح کی صحابیت کی فنی یاد کر لیں پانچ ہی ہے تو اول تو یہ ان کی منصوبہ بند ہی ہے۔ عمر کی دیر سچ نہیں۔ کیونکہ تاریخ دیر سچ کا دوقیاسم ہے کہ ان کا مفہوم اور عقل و دماغ میں تعریف نہ کی جائے اور اعلیٰ مقام یہ ہے کہ زیر بحث باب سے متعلق تاریخ کو شے سب کے سب سامنے ہوں جس کے مجموعہ سے

نظریہ اخذ کی جہتوں اور اس کی جامع تعبیر کی جہتوں جو تمام اقوال پر حاوی اور
 اور اس کا پتہ چلے۔ لیکن یہاں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی طریقیان کرنے
 کے سلسلہ میں یہ دونوں باتیں مفقود ہیں۔ نہ سادے تاریخی نمکڑوں کا
 مجموعہ ہی ان کے دعویٰ کا ماتر بنانا مستحکم کردہ تاریخی نمکڑے سے صحیح
 سے صحیح دعویٰ ہی اخذ کر کے سامنے لایا گیا بلکہ اس میں تحریف کو دی گئی
 اور ساتھ ہی اس پانچ سال کی عمر کو طی الاطلاق بے جوشی اور بے شعوری کی
 عمر دکھا کر ہر زمانہ کے خصوصی احوال سے آنکھ بند کر لی ہے جس کا وجہ غرض
 ہر دور میں رہتا آیا ہے حقیقت یہ ہے کہ اس ساری کتب یونست کی بنیاد وہی
 ہے کہ حضرت حسین کی صحابیت کی نفی کا منصوبہ وہی طور پر پہلے قائم کر لیا
 گیا اور اس کی تائید کے لئے وہی تاریخ کے وہی نمکڑے تلاش کئے جاتے
 ہیں۔ جو مطلب کے موافق ہوں تو اس میں اس قسم کی ناقصی تبدیلی و تحریف
 اور کتب یونست کا ہونا قدرتی ہے۔ چونکہ عرضی اور ہر پو شید شدہ اگر نظریہ
 سے تاریخ نہ بنائی جاتی بلکہ تاریخ سے نظریہ بنایا جاتا تو یہ مریایاں و دنیا
 نہ ہوتیں۔ بہر حال تاریخی جہانوں سے یہ نفی صحابیت کا منصوبہ فطرت اور
 ہے یعنی ثابت ہو جاتا ہے۔ گو حضرت حسن کی ولادت کا سن متعین کرنے
 میں مؤرخین کے متعدد اقوال ملتے ہیں لیکن ابن عبد البر نے حضرت حسن
 کی پیدائش کا سن ستھ قرار دیا ہے اور اسے اصح کہا ہے سو اس کی رو
 سے بھی حضرت حسین کی عمر پانچ سال سے زائد ہی نکلتی ہے اور چھ سال
 سے کچھ زائد ہی ثابت ہوتی ہے۔ بہر حال ماقطعاً بن کثیر کا وہ منصوبہ کا

لے گا اس قدر جامع اور حاوی ہے کہ وہ ان تمام اقوال کو اپنے اندر لے لیتا ہے اور لے کر صرف پانچ سال کی پیر صورت نفی کر دیتا ہے جو عباسی صاحب کا منشا ہے اعداسے انہوں نے جمل کے طور پر ابن کثیر کے سرگمانے کی جرأت کی ہے۔

عباسی صاحب کا دوسرا منصوبہ اس نفی صحابیت کے سلسلہ میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو تابعی ثابت کرنا تھا تاکہ صحابیت کی نفی بالکل ہما ملکی اور غیر مشتبہ ہو جائے۔ سو اس کے لئے انہوں نے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا جو مذکورہ قول پیش کیا ہے کہ انہوں نے حضرت حسین کے بڑے بھائی حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو تابعی نہ پایا ہے تو حسین تو ان سے بھی ایک سال چھوٹے تھے اس لئے وہ بطریق اولیٰ تابعی ثابت ہوئے اور صحابی نہ رہے۔ سو اس میں دیکھنے کی بات ہے کہ امام احمد کے جس قول پر اس قیاسی نظریہ کی بنیاد رکھی گئی ہے آخر اس قول کی پذیرائیں کیا ہے؟ اور کیا وہ ثابت شدہ ہے بھی یا نہیں؟ سو جہاں تک اس قول کی دلائلی حیثیت کا تعلق ہے خود حافظ ابن کثیر نے اس قول کو نقل کر کے ساتھ ہی ساتھ اس پر اعدا کرنا ایک حکم لگا کر اس کی دلائلی حیثیت کی کمر توڑ دی اور صاف کہہ دیا کہ یہ دوسری بات ہے۔ گریہ و فغان توں نہیں پھر آگے بطور علامہ اور بطور احتیاج کے یہ بھی ظاہر کر دیا کہ اس قول سے حضرت حسن کی صحابیت کی نفی کا تو یہ مطلب ہو کہ حضرت حسین کی صحابیت کی نفی بھی بطریق اولیٰ ہو جائے۔ درحالیکہ یہ دونوں باتیں غلط اور غیر مسلم ہیں۔ اس سے واضح ہے کہ حافظ ابن کثیر

جس کی تاریخی جلالیت پر عباسی صاحب کو ہی پروا پورا بھروسہ ہے۔ تاریخی حیثیت سے اس قول ہی کو ناقابل اعتماد نظر کر رہے ہیں۔ چہ جائیکہ اس سے پیدا کردہ قیاس باطل و لوثیہ کے بیان قابل التفات ہو۔ پھر اس سے بھی زیادہ دلچسپ بات یہ ہے کہ جن امام احمد کی طرف اس قول کو منسوب کیا گیا ہے جس سے حضرت حسین کا نام بھی ہونا قیامی طور پر ثابت ہوتا ہے وہ خود ہی اس کے قائل نہیں معلوم ہوتے یعنی خود ان کے نزدیک بھی یہ قول ان کا قول نہیں۔ اس مسئلہ میں حافظ ابن حجر کی ذیل کی عبارت پڑھ لی جائے جس کا کچھ حصہ اس مسئلہ میں پہلے ہی پیش کیا جا چکا ہے جس میں وہ صحابیت کے مقبول کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

وہم من اشقونی وذلک ان	اماں میں سے بھی نے ہی شرم لگائی
یکون حین اجتماعہ بالغا وھذا	تہذیبی صفت کہ ساتھ میں ہوئے کیا وقت
مردوداً بہ پنجدرج حسن الحسن	ان میں سے وہی قیوم و صمد کہ نہ یہ
ابن علی وکون من احد اہل	میں میں کہ نہ وہ کہ جو مہر و نہ
المعاویۃ والذی جردہ بہ بغاری	جنا جو نہ کہ ذلت کہ سمہ فقہ، صاحب
ھو قول الحسن والحیدر من	سے نہ کہ وہی ہے، اسی پر ہمارے
المحدثین	نوم دینی کی سادہ و ذلیل امام احمد و صاحب
ففتح ابی ہریرۃ	نہ میں لاجہ

اور امام بخاری نے صاف غلطی میں اپنا یہ ذہب خود صحیح بخاری ہی میں واضح کر دیا ہے جو پہلے بھی آچکا ہے کہ

میں مصائب الہی محظوظ نہ ہوئے۔

سلاوا و آواز میں اہل بیت بھی نہ ہوئے۔

صحابی و دیگر جدا جدا فضائل بھی ملے تھے۔

بہر حال واضح ہو گیا کہ امام احمد اور جبریل علیہ السلام کے نزدیک بھی مصابیت

کے لئے ہر وقت طاقاتے نبوی باطن ہونا شرط نہیں تاہم باطن اور ظہر میں بھی

صحابی ہو سکتا ہے۔ جس پر قبائی کے جزم کیا ہے اس لئے یہی طریق تصدیق

حافظ ابن حجر امام احمد کا متین ہو گیا۔ اس میں قابل توجہ بات یہ ہے کہ اس

طریقہ کے ثبات کے لئے ابن حجر نے بطور مثال باقتضیٰ دلیل کے طور پر

خصوصیت سے امام حضرت حسن کا پیش کیا ہے اور یہ کہ اگر مصابیت

کے لئے جوہر کی شرط لگائی گئی تو حضرت حسن کا بیٹا جعفر علیہ السلام کی مصابیت

مصابیت کی نفی ہو جائے گی جس کا واضح ہے کہ حضرت حسن کی مصابیت اہل بیت کے لئے

ہاں ایک ایسی مسئلہ کل اور معروف حقیقت تھی کہ جس سے کسی صحابہ کی

مصابیت کی نفی کرنے والوں پر جبے قائم کی جاتی تھی اور ظاہر ہے کہ جنت مسلمات

ہی سے کسی نہ کیا کرتی ہے۔ اس لئے اس احتیاج سے حضرت حسن کی مصابیت کا

مسئلہ کل ہونا واضح ہو جاتا ہے۔ جو خصوصیت سے امام احمد کا مذہب ہے۔ اور

پھر اس مسئلہ کی مسئلہ میں امام احمد ز صوف اس قوم کے دائرے سے مصابیت میں

ہی کے قابل ثابت ہو سکتے ہیں بلکہ ساقط ہیں جو کہ اس حدیث کی رو سے اہل کی

مصابیت کی نفی کرنے والوں کے مقابل ایک ضد مقابل اور باغضیٰ کفر کی

پہچان میں بھی نمایاں ہیں۔ کیونکہ اس جہاد کے روشن میں ہی کے طریقہ

کی تعمیر ہوتی ہے کہ اگر سوا بیت کے یہ بورخ کی قید لگائی تو حضرت حسن
 سوا بیت سے خارج ہو جائیں گے۔ حالانکہ ان کا صحابی ہونا مسلمات میں سے
 ہے۔ تو بورخ کی قید صحابیت کے لیے ہرگز صحیح نہیں۔ ظاہر ہے کہ اس صورت
 حال سے امام احمد اپنے ہی قول سے اس قول کے مقابل آجاتے ہیں جو عباسی
 صاحب نے ان کی طرف منسوب کر کے حضرت حسن کی لٹی صحابیت کھٹے پتی کیا تھا۔
 اس لئے خود امام احمد ہی کے اترار سے اس منسوب شدہ قول کی نئی شکل
 آئی اور یہ کہ امام احمد خود ہی اسے اپنا قول نہیں مانتے۔ پس اب امام احمد کے اس
 غرض کی روشنی میں جس کو ماقطعاً ابن حجر نے نقل کیا ہے۔ ان کے دعویٰ کی تعبیر
 جیل کی ہو سکتی ہے کہ میں حضرت حسن کو باوجود نابالغ ہونے کے صحابی ماننا ہوں
 اور جو میری طرف اس کے خلاف بات منسوب کیے وہ مورد ہے۔ اولاً ظاہر ہے
 کہ اس صورت میں امام احمد کے نزدیک حضرت حسین بھی سوا بیت سے خارج
 نہیں ہو سکتے۔ جب اندازہ کر لیا جائے کہ اس قول کی تفسیر لال میں پیش کرنے والوں
 کی چوڑائیں کیا ہوئی۔ غالباً اسی بناء پر مانتا ہیں کہ شیخ نے امام احمد کے اس قول
 کو اُپر اور عرب کہہ کر دیا ہے کہ ان کے علم میں خود امام احمد کی تصریح سے
 ان کا مسلک حضرت حسن کی صحابیت کے بارے میں ضرور ماضع تھا۔ اندیشہ صورت
 قیاس بالظاہر لویہ کی یہ معنی صورت نہیں بنتی جو عباسی صاحب کا ذہنی منصوبہ تھا
 کہ ”جب امام احمد کے نزدیک حضرت حسن بھی صحابی نہ ہوئے۔ جو عمر میں حضرت حسین
 سے سال بھر کے قریب نہ تھے تو حضرت حسین تو بطریق اولیٰ صحابی نہ ہوتے ہوئے
 میں حضرت حسن سے ایک سال چھوٹے تھے۔ بلکہ اب ضرور قیاس ثبت طریق

یہ ہر بات چھک جیب امام احمد کے نزدیک حضرت حسین بھی صحابی ہیں جو کہ
حضرت حسین سے ایک سال چھوٹے تھے تو حضرت حسین کو بطریق اولیٰ صحابی ہونے پر حضرت
سید سکندر بن علیک مل ہیٹے تھے، فرق یہ ہے کہ پہلا تیس تو حضرت فرخا اور بنیاد کے تھا اور
دو فنی ایک شمس بنیاد پر قائم ہے۔ چوں کہ قیاس کی رو سے صحابہ کے تمام کس
اند نو عمر تھے جو حضور کی زیارت صحبت سے شرف ہو چکے تھے نہ وہ صحابہ سے نکل کر تابعین
جاتے تھے۔ اور ان کی دوا تیسرے اصولیت مرفوع نہیں رہتی تیس چہ مرفوع ماننی ہوئی
ہیں۔ اور اس قیاس کی رو سے حضرت حسین و حسین کے طفیل میں یہ تمام کس
مگر صحابہ میں نبی اطفال امام احمد امام ہمدانی اور جہود حضرت بنی کے مذہب کی رو
سے صحابہ ثابت ہو رہے ہیں اور ان کی روایات احادیث مرفوعہ ثابت رہتی ہیں۔
بہر حال امام احمد کی طرف منسوب کردہ یہ غریب قول کہ حضرت حسین صحابی نہ تھے
احساس سے لازم آمد قیاس کہ حضرت حسین بھی صحابی نہ تھے تاریخی طور پر تو ان
کثیر نے اجماع کر دیا ہے۔ لہذا مسک کے طور پر اسے فقہ کے امام حضرت امام
احمد بن حنبل نے رد کر دیا اور حدیثی طور پر جہود محدثین نے اسے رد و ٹھکرایا
اور واضح ہوا کہ عباسی صاحب نے حضرت حسین کی نفی صحابیت کی بنیاد ایک
بے بنیاد اور بے اصل قول پر کسی نفی اس قیاس کے برخلاف تھا۔

بہر حال حضرت حسین کی تابعیت کے اثبات کے لئے امام احمد کا جواز
بلوں قیاس بلاد حویۃ کے پیش کیا گیا تھا ماحد امام احمد ہی نے رد کر دیا
سے نفی صحابیت حسین کے ہاں میں عباسی صاحب کے پاس دعویٰ ہی دعویٰ
مکمل اور جہود سے باطل غالی ہو گئے نہ قیاس نہ قیاس کا احساس لئے تابعیت

اس پر ملاحظہ فرمائیے کہ انشاء اللہ کہ جب یہ ہے کہ حضرت مسیح مصلیٰ
 کے دربار تکبریاں بخود سنبھال رہے تھے دربار میں داخل ہیں۔ یعنی حضرت مسیح
 دربار میں تھے۔ یہ روایت موثق مانی گئی ہے جس کے ثبوت میں کوئی شہد نہیں پھر
 یہی ظاہر ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تشریف
 خود بھی اپنے محلِ معاشرت کا یقین حاصل تھا۔ نہ وہاں صاحبِ بیت کیے فرما رہے
 تھے۔ دوسرے نقطہ میں یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ انہیں خود بھی اپنے صاحبِ بیت اور
 صاحبِ معاشرت مصلیٰ ہونے کا پورا یقین تھا۔ اس کا دوسرا ثبوت یہ ہے کہ
 یہاں شاہد ہے اس بناء پر جو اسے معاشرت و محبت میں جس جگہ معاشرت
 اطلاق خود در سال جہاں تھے حدیث کا مسکوت ثابت ہو تا ہے وہیں ایک علی
 المقتدر مصلیٰ علیہ السلام کی روئے بھی ثابت ہو تا ہے۔

میں جہاں صاحب نے تو امام احمد کے ایک معروف قول سے حضرت مسیح
 کی معاشرت کی نفی کر کے حضرت عیسیٰ کی معاشرت کی بھی نفی کرنی چاہی تھی
 مگر ان کی قسمت کہ حضرت مسیح کی معاشرت کو ساتھ لانا ان کی روایت تھانہ
 حضرت مسیح سے اس حدیث کا ثبوت بھی ہو گیا۔ اچھا حافظ حدیث یعنی ابن عبد البر
 ابن ابی حنبلہ کے صاحبِ روایت مصلیٰ ہونے کے قائل اور مشہور حدیث نگار تھے
 بلکہ ان کی تائید علی طور پر خود حضرت مسیح علیہ السلام سے بھی ہو گئی۔ اور ساتھ
 ہی حسن کے صاحبِ روایت بھی تھے جن کی حقیقت ان تمام حدیث کا مسند تھانہ
 ہو گیا جنہوں نے اس کی کتب حدیث میں بیسیاں نقل کیں۔ انہیں جنہوں نے نقل
 کیا انہوں کو پڑھنا و تعلیم کی مگر حضرت کے ہم غیر کا ایک مسند مستند ہو گیا اور

اس طرح سے امام احمد کا وہ حریب قول شک سے گزر کر نصیح کی حرکت ظہیر ثابت شدہ ہو گیا جس سے عباسی صاحب کی تدبیر بخیر پیرچ کے اوپر سے ایک نظیر پر وہ اور اٹھ گیا۔

بلکہ ان روایات سے ایک نظیر اور مستر اور پیدا ہو گیا کہ عباسی صاحب تو حضرت جنہیں کو عمر میں حضرت حسن سے چھوڑا دکھلا کر ان کی مصابیت کو ختم کرنا چاہتے تھے مگر ان حفاظِ حدیث نے حضرت حسین کو حضرت حسن کا استاد دکھلا کر انہیں حضرت حسن سے بھی زیادہ مضبوط اور آپ کی قسم کا صحابی ثابت کر دیا۔ سب سے بائبل ایک تقدیری بات ہے جس میں چار سے عباسی صاحب کرنا کیا سکتے تھے انہوں نے توفیقی مصابیت میں کے لئے ساری ہی کوششیں تمام کر لیں مگر جب وہی حفاظِ حدیث نہ انہیں میں کے سوا کہ عباسی صاحب نے نفی مصابیت کی پر کوششیں کی تھیں بلکہ مصابیت کے ساتھ وطن کا سماج حفظ ہی ثابت کر ڈالیں تو اس کا کیا ملو؟

غالباً یہی بنیادیں ہیں جن پر مبنی کر کے حافظ ابن جریر نے یہ دھونے کیا تھا کہ صحابہ ہونے کے لئے بانٹا ہونے کی قید ہرگز صحیح نہیں اور نہ صحابیت سے خارج ہونا نہیں گئے۔ گویا اس کا صحابی ہونا ایک مسئلہ کی حقیقت تھی جس کو حجت کے طور پر پیش کر کے حافظ ابن جریر نے بیوٹ کی قید کر ڈیا۔ بنیادی ان نقول یا وہ کی پیش کش سے اس مسئلہ کے مسئلہ حل ہونے کی حقیقت کھل جاتی ہے کہ جب محدثین حضرت حسن کی روایات حدیث قبول کئے ہوئے ہیں اور آگے تک ان کی روایت چلی رہی ہے اور ان کو صاحبِ روایت صحابی باوجود

کہ تھے آپ ہی تو کیوں نہ ان کی صحابیت کو مسلمات میں سے سمجھتے۔
 بہر حال جب کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی صحابیت پر غبار ہو گئی اور
 ان کی تابعیت والا طریقہ مقولہ ہی ثابت شدہ نہ ہو تو اس پر قیاس نظریہ کر کے
 حضرت حسین کی صحابیت کی نفی کا کوئی سوا ہی باقی نہ ہو کہ اس پر کوئی بدو و قدح
 کیا جائے، جب قیاس کی بنا ہی منہدم ہو گئی تو قیاس نگراں سے ثابت ہوا
 کہ اس کے مدد کی کوئی ضرورت ہو اور حضرت حسین کی صحابیت سے نفی کو دفع
 کرنے کے لئے کوئی کلام کیا جائے۔

تاہم ان کی صحابیت کی اثبات کے دلائل میں سے بطور مثال پھر بھی ہم
 چند نمونے پیش کئے دیتے ہیں جن سے اس تابعیت والے مقولے کی اوندھ پٹا
 قلمی کھلی جائے۔ اول تو عباسی صاحب نے ہی حافظ ابن کثیر کی روایت سے
 حضرت حسین کی عمر صرف پانچ سال کی نقل کر کے ان کی صحابیت کی نفی کر لی
 چاہی تھی وہی حافظ ابن کثیر خود اپنا فرقہ جب اس بارہ میں یہ بیان کئے ہیں کہ
 والمقصود ان الحسین عا حور رسول
 واللہ علیہ وسلم وصحبہ
 انہ توفی دھو عنہ ما فیہ من
 کان مغلطاً۔ (مہذب ص ۱۱۰)

اس عبارت میں حافظ ابن کثیر نے انھیں صغیر کہہ کر بھی ان کی معاصرت اور
 صحبت کا اقرار کیا ہے جس کے صاف معنی یہ ہیں کہ حافظ ابن کثیر کے نزدیک
 صحابیت میں عمر سالانہ نہیں۔ اور حضرت حسین کا ثبوت صحابی ہیں۔

پھر اس سے بھی زیادہ صاف فہموں میں ابن کثیر نے ایک دوسرے موقع پر ان کی صحابیت کا اعلان اس عنوان سے فرمایا ہے کہ:-

فاما من سادات السنہ وعباد	وہابیہ، موات صدیقین میں اور
الصحابۃ وامن بقت ماحسن اطلہ	مصر میں ہے میں اور ائمہ کرام کے درمیان
صلی اللہ علیہ وسلم رانی صبی	سب سے افضل صحابی کے شیعہ
وفنس مناقہ و قد کان عابد و شجی	نہیں۔ اور جو عابد و شجی اور
وصفیاء و سادات	تھے۔

محدثین کی جہالت میں سے حافظ شمس الدین ذہبی نے جو محدث بھیل ہونے کے ساتھ معلم و سوفی بھی ہیں اور ابن حجر سے مقدم ہیں اپنی کتاب تجرید اسماء الصحابہ میں حضرت حسن و اہل حضرت حسین رضی اللہ عنہما کو ضرور صحابہ ذکر کیا ہے۔ اور حضرت حسین کا یہ ذکر اس کتاب کے صفحہ پر ہے۔ امام بخاری نے علاوہ اس اصول کے جو صحابی کی تعریف میں اور مذکور ہوا حضرت حسین کی صحابیت کا اعلان انہی سفت و ثناء سے کیا کہ بخاری میں فضائل صحابہ کا عنوان قائم کر کے اس کے تحت مناقب اہل بیت کو باب قائم کیا ہے۔ اسی جہت پر امام مسلم نے بھی اپنے صحیح میں مناقب نبی پر ہی امام حسین کے مناقب کی روایتیں ذکر فرمائی ہیں جس سے حضرات حنین کی صحابیت ظاہر بھی بخاری و مسلم دونوں کی مسلم ثابت ہوتی ہے نیز جب آیت تطہیر ائمہ پرید اللہ بیدھب عنکم الرجس اھل البیت دیطہرہم کفر تصدیقاً۔ نازل ہوئی تو آپ نے اپنی ردا مبارکہ میں اپنے اہل بیت کو جمع فرمایا جس میں حضرت حسین رضی اللہ

من بھی شامل تھے اور عاکی :

وَأَمَّا أَهْلُ بَيْتِي فَأَوْفُوا بْعَهْدِي ۖ وَأَتَمِّمْ إِلَيْكُمْ عَهْدِي ۖ فَلْيَأْتِكُم مِّنِّي وَلَا تَأْتُوا مِنِّي ۚ فَمَا يَكُنْ لَّيَّاسٍ بَعْدَ عَهْدِي بِثَبَاتٍ ۚ لَّا تَقْرَأُ الْكِتَابَ ۖ ثِقَلٌ عَلَيْكُمْ اثْقَالُ مَا عَلَيْكَ ۚ فَلْيَرْجِعْ سَوْدًا مِّنْ عَيْنَيْهِ ۖ لَّا يَسْأَلُ عِلْمًا ۖ وَلَا يَتَذَكَّرُ أَلَّا يَكُنْ لَّيَّاسٍ ۚ

• *Phragmites*

مُنْهَمُ الرِّجَالِ وَنَحْنُ

اسی طرح جب کہ سہ ماہیہ نازل ہوئی تو پھر آپ اپنے الہامیت کو ملے کہ
غلام اللہ کے مقابلہ میں مہاجر کے لئے تشریف لے گئے جن میں حضرت حسین رضی
اللہ عنہ بھی شامل تھے اور فرمایا کہ اہل بیتی جیسا کہ صحیح مسلم میں
رعایت موجود ہے تو کیا نبی کے ساتھ رہنا بلکہ نبی کی پادشاہی میں نبی کے برابر ہونے
سے قریب تر ہو کر رہنا صحبت و مجاہدہ نہیں مٹی کس موقع پر نصارت کے
استغاثہ طلب پادری نے ان کے آفتاب و جہتاب پہرہوں کو دیکھ کر جن میں سلطنت
حسین رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں کہا تھا کہ اے گروہ نصارتی میں جو ایسے چہرے
دیکھ رہا ہوں کہ اگر وہ اللہ سے پہاڑوں کو بلانے کا سوال بھی کریں گے تو اللہ
پہاڑوں کو ٹوٹ دے گا۔ اس لئے ان سے مہاجر کہہ کے اپنے کو تباہی میں مبتلا کر
گویا اس استغاثہ نے بھی اہل بیت اللہ سے دیکھیں کہ مہاجر پہرہوں پر مقبولیت
اور نور و شہادہ کا شاہد کہہ لیا کہ کفر تک بھی نبی کے خاندان و ساتھیوں کو کشتاں نہ
مقبولیت و محبوبیت کو دور سے دیکھ کر پہچان لیتے تھے۔ جو اسی شرف صحبت
کے ان کے لئے تو کیا بے شرف صحبت کا ثبوت نہیں؟

بہر حال حضور حسینؑ کا یہ طریقہ تعلیم میرا بل بیت کا مصداق ہے اس لئے نفس
قرانی کے علوم سے لڑنے کی حمایت ثابت ہو رہی ہے اور اگر آیت مبارکہ میں بتانا
کا مصداق ہے جیسا کہ مبارک میں دیکھ سکتے ہیں کہ ان کے حکم و تاکید اور حدیث مسلم میں مذکور ہے

یہ علی بن النبی صلی اللہ علیہ
وسلو حدیثیانی ابن عباس رضی اللہ عنہما
وہما میں اظہار کفر نہ تھا بلکہ
مثلاً اختلافاً سنداً مستقام

صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث میں ہے
کہ بارہ میں کہ تم ابھی خدا خلاف میں پڑ
گئے تھے کہ میں تم میں موجود ہو تو تم میرے بعد
جست ہی نہ کرو، اختلاف میں مبتلا ہو گئے

واقف تھے اس پر ریح کا نشان دہے کہ یہی ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی روایت
صحاح ستہ میں داخل ہیں۔ اسی طرح حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی روایت
حدیث کا ثبوت ابن ماجہ سے بھی ہوا ہے جس میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ
کی روایت اس طرح نقل کی گئی ہے۔

حدیث ابو یوسف بن ابی شیبہ ذوالکلیج
بن الحواصم عن هشام بن زیاد
عن امہ عن طاہرۃ بنت الحسین
عن ابیہا الحسین، قال قال
النبی صلی اللہ علیہ وسلم
عن اہلبیت بنی ہاشم ذوالکلیج
معیقۃ قاعدۃ استوحاشاً
وان تقادوم مہلک کتب اللہ
لہ من الاجر مئۃ یوم اصیب
۱۰۰ ماہ صلاۃ ماہیاً لا زہر ولا عید

ہم سے حدیث یہ کہ ابو یوسف بن ابی شیبہ نے
انہوں کے کہ ہم سے حدیث بیان کی ذوالکلیج بن
الحواصم عن طاہرۃ بنت الحسین عن امہ عن ابیہا
نے ابن عباس کی والدہ کا طریقہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ
نے اپنے والد حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے کہ فرمایا انہوں نے
کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس پر
کوئی مصیبت پڑے ہو، حواصم ابیہا مصیبت یہ
آگ لگے تو اس نے اس وقت ہر گز نہ دیا، علیہ السلام
پر یا اگرچہ وہ مصیبت کتنی ہی چلتی ہو مگر ہرگز
اللہ تعالیٰ اس کے لئے اس وقت بھی دعا کرے

مکین کے یہ مصیبت پر سے کہ ان اللہ پڑھ کر ہر گز نہ دیا گیا تھا۔

اسی روایت کو صاحب میں مافظ بن جبر نے کہ لفظی تغیر کے ساتھ لفظ سات سے نوکر کیا ہے کہ نذا الحسنی محمد بن رسول اللہ علیہ السلام۔
حضرت حسینؑ نے فرمایا کہ میں نے سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ
پھر مال اس سے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی طرف صحبت ہی ثابت نہیں
ہوتی جو علی استفادہ بھی ہے اور شرف بالائے شرف ہے۔

اس سے اندازہ ہی نہیں یقین ہو نہ کہ مافظ ابن کثیر کی نگاہوں سے
حضرت حسن اور حسینؑ کی یہ کھیلے کھیلے شواہد و نظائر حقیقی نہ تھے تو
انہیں کیا ضرورت دینی ہوتی کہ وہ ان کھلی کھلی تصریحات کے مقابلہ میں
حضرت حسن کی تابعیت ثابت کرنے کی کوئی سعی کرتے مگر پھر اس سے کیا
کافی ہوگا کہ حضرت حسین کی تابعیت کی واضح دلیل ڈالتے مافظ ابن کثیر نے اور لا
تواما محمد کی طرف منسوب کردہ اس قول ہی کو غریب کہہ کر اس کی دواہی
حیثیت ختم کر دی اور پھر اس پر بطور الزام یا احتجاج کے فرمایا کہ وہ

نزل فی الحسین اللہ

تذیبی بطریق الادب -

۱۱ ابواب ص ۱۵۰ -

چاہئے کہ حسن بطریق ادب ہی تھے۔

حالانکہ عوام ابن کثیر و صاحب مقولہ امام احمد کے نزدیک اور شواہد

مذکورہ کی رو سے حضرت حسن اور حسینؑ نہ صرف یہ کہ تابعی نہیں بلکہ صحابی اور

اور صاحب روایت صحابی میں غرض ابی کثیر کا یہ مقولہ امام احمد کے منسوب

مقولہ پر ایک احتجاجی اور الزامی قیاس نکلتا ہے کہ قیاس حقیقی کیونکہ

حقیقی تریاس کا ان کے لئے کوئی موقع ہی نہیں تھا جب کہ اس کے خلاف
 نفوس ان کے پاس موجود تھیں اور وہ اپنا مذہب ہی اس قول کے نوراً
 بعد یہ بیان کر چکے تھے کہ حسین معاصر رسولِ دادِ صحبت یافتہ رسول ہیں۔
 لیکن عباسی صاحب نے یہاں بھی بیان مفہوم میں وہی تحریف کی جو خمس
 سین دسے قول میں لفظ صرف، بڑھا کر کی تھی، چنانچہ آپ نے اعلان
 یقین، "کا ترجمہ، تاہم" سے فرمایا ہے جو پہلے اور خلافِ ممانورہ بھی ہے اور
 صاحبِ قول کے مقصد و مراد کے برعکس بھی ہے کیونکہ اس صورت میں
 عبارت مذکورہ کا تجزیہ اور حاصل یہ ہوگا۔

گو حضرت حسن کا تابعی ہونا سنیب اور ابراہیم دایثا ناقابلِ افتاء
 ہے تاہم اتنا تو پھر بھی ماننا ہی پڑے گا کہ امام حسین بطریق
 اولیٰ تابعی تھے۔

سوال یہ ہے کہ کیوں ماننا پڑے گا؟ اظہر تو ترجمہ کہ یہ عبارت ہی پہلے
 ہو گئی جب کہ اس میں خدیج صحیح ہو گئیں کیونکہ "تاہم" کے لفظ سے تو تنزیل
 معلوم ہوتا ہے یعنی ہر سدرہ جبرک بات یہ ہے اور علی بن ابی طالب اتنا تو
 مان ہی لو کہ وہ تابعی ہیں اور بطریق اولیٰ کے لفظ سے ترقی معلوم ہوتی ہے کہ
 تابعی ماننا بہر حال ضروری اور اولیٰ ہے تو حاصل عبارت تاہم کی دوسرے
 یہ لفظ گو حضرت حسن کا تابعی ہونا تو ادوری اور غیر یقینی بات ہے۔ تاہم یہ ضرور
 ثابت ہو گیا کہ حضرت حسین بطریق اولیٰ تابعی تھے سوال یہ ہے کہ کیوں
 ثابت ہو گیا؟ اور کسے ہو گیا؟۔ جس پر اعمام کو کہ یہ ثابت کیا جا رہا ہے

اس پر ہے اعتقاد تو دہا غریب، گو کہ پہلے ہی ظاہر کر دی گئی ہے اس پر
اعتقاد کہاں سے پیدا ہو گیا ہے؟ اس کے معنی تو یہ مل گئے کہ اصل تو یہاں اعتقاد
الہی ہے اور اعتقاد دہا تو کھوکھی اور دھت مضبوط۔

دوسرے کے قیاس بالذوق کے طور پر تہجیت حسین حبیب ہی تو رہتی
ہے کہ جب اس کا تیس علیہ یعنی تابیت سے مسئلہ ہو۔ تو ایک طرف تو اس
کثیر تیس علیہ کی عزت کے قائل ہوں کہ اس کا ثبوت مستند ہے۔ اور دوسری
طرف اس کے قیاس کو ازہر تسلیم کیے کہ تیس علیہ کو مقبضہ اور ثابت شدہ
نہیں کہیں مگر اس کی خواہش کی نفی بھی کر دیں تو آخر قیاس کی کوئی تم بھی
ہو یا محتاج مذہب پر مشتمل ہو اور کوئی دانشمند اس اصول کو مانے گا کہ چار
خلع ہو مگر مٹی۔ بلکہ اولیٰ ثابت ہو جائے۔ لہذا آفتاب کو شکوک اور شبہ
ہو مگر آفتاب نہ تارنا ہی نہیں کہ گاہکوں بطریق اولیٰ نظر آتا ہے۔ اور مقبضہ ہے۔

اس لئے یہ اتنا چرچہ کہ گاہکوں مقبول ہے کہ اس کی تیس علیہ ہی اس کے اعتقاد
نہیں کر سکتے کہ احتیاج مذہب۔ اور اصل و فروغ کے کائنات کی حیرت و تعجب
ان کے سر پر ہے سیدھی بات یہ ہے کہ تیس علیہ کو حبیب انہوں نے بظاہر یہ کہ
کہ وہ کہ یہاں ہر ماں مذہب ہے یہاں کہہ دیا کہ میں صاحب و سوا اور
صحت یا فتنہ ہی ہیں۔ تو ان کی قول سے دعاس پر قیاس کی غارت کیجئے
کفری کہ یہ قدر تو طاعت کی تائید ہے کہ یہ ہے کہ اگر اس متور کو غریب
نہا جانے اور اس سے تسلیم کر لیا جائے تو پہلا ہم جو کہ محض حسین کو بھی
بطریق اولیٰ تا ہی کہتا ہوں۔ بلکہ محض حسین کے بارے میں ہی کا مشہور۔

مذہب یہ ہے کہ وہ انہیں نہ صرف صحابی ہی مانتے ہیں بلکہ تمام خود و سال
صحابہ کی صحابیت کی دلیل مانتے ہیں۔ تو پھر یہ قول ان کا کیسے ثابت ہوا یا سنا
نہا ہرچہ کہ اس صورت میں یہ قیاس التزامی اور مقبلی ثابت ہوتا ہے نہ کہ تنقیدی
اور ثباتی۔ انہی ہی صورت صحابی صاحب کا اس فلاں بقول کی عبارت کو
قیاس صحیح لانا اور اسے ابن کثیر کی طرف نسبت کرنا اور پھر اس کا ترجمہ
"تاہم" کے لفظ سے کرنا اس مقولہ کے مفہوم کی تحریف نہیں ہے تو اور کیا ہے؟
کہ التزام کو حقیقت بنا دیا جائے اور احتیاج کو حجتہ اصلہ کہا جائے۔ ممکن ہے
کہ تادیبی و مہرچ کا یہ بھی کوئی خاص انداز ہو کہ اپنے تخیل کی علامتیں اٹھ
کے حوالہ سے دنیا کے سامنے پیش کی جائیں جو ایک مقولہ کو بجا عزیز
کہیں اور حقوق ہر پنج اس کے معنی بڑا صحیح کے ہیں۔ وہ عزائم کی تاکید کے
کے لئے التزامی قیاس قائم کریں لہذا اس کے معنی تحقیق اور حقیقی قیاس
کے ہیں و بالذات استہاج کریں۔ اور اسے جیسے دیر پاں غائب کریں۔

بہر حال حضرت حسین کی صحابیت کی نفی کے لئے تو عباسی صاحب نے
ابن کثیر کے کلام میں لفظ "صرف" کا اضافہ کر کے لفظی اور معنوی تحریف کی
تھی اور ان کی تابعیت ثابت کرنے کے لیے ابن کثیر کے کلام فلاں بقول کے
ترجمہ میں لفظ "تاہم" لاکر ان کے مفہوم اور مراد کی تحریف کی۔ اس احتیاج کو
جواز اور الزام کو حقیقی بنا دیا۔

مگر ظاہر ہے کہ اس قسم کے جعل اور جعلی دستاویزوں سے حضرت حسین
رضی اللہ عنہ کی صحابیت پر کوئی آنچ آئے والی نہیں جبکہ ان کی صحابیت کا ثبوت

کتاب وسنت اور کلام سلف و خلف کی مجمع اور حقیقی دستاویزوں سے نکلنا ہے جیسا کہ بالتفصیل وہ ابھی آپ کے سامنے آچکا ہے۔ اب کہا جاسکتا ہے کہ نفی صحابیت حسین کا یہ فتہ ہے جتنا جو شک کی وجہ سے اپنی ہی قبر میں پڑ گیا اور صحابیت حسین حتیٰ کہ محدثیت حسین بہت روز و شب کی طرح عالم انکار اور کج انداز میں صورت جبکہ حضرت حسین کی صحابیت قرآن کی ولایت -

حدیث کی سرائت محمد بن یزید میں اور اصولیہ وغیرہ تمام طبقات کے اتفاق سے ثابت شدہ ہے تو قرآن و حدیث میں صحابہ کے جو مناقب و فضائل اور اصول و مقامات قلم بردہ ہوئے ہیں پھر خصوصیت سے صحابیت کے جو فضائل اور خصوصیات ثابت ہوئی ہیں وہ سب کے سب حضرت حسینؑ ہی ائمہ حق کے لئے بھی ثابت ہوں گے۔ نیز سب کے سب جو حقوق کتاب وسنت کے امت پر صادق تھے ہیں وہ سب کے سب حضرت حسینؑ رضی اللہ عنہ کے بھی ماننے والے ہیں گئے اسی کے ساتھ صحابہ کے خلاف اور مخالف اقدام کرنے والوں کا جو حکم ہے وہ بھی جو شیعہ مخالفین حسینؑ پر عائد ہوتا ہے یا اگر یہ چوگا۔ سو جہاں تک مقام صحابیت کا تعلق ہے اس کی عظمت و جلالت کے ثبوت میں اللہ تعالیٰ سے زیادہ ہر ایک کو یہ ہو سکتا ہے۔ یہ بات ظاہر ہے کہ کتاب وسنت نے صحابہ کے طبقہ کے ساتھ کسی طبقہ کی بھی من حیث الطبقة تقدیس و تظہیر نہیں کی کہ ایک طرف سے طبقہ کے لئے کو مقدس ٹپاک! بلکہ صحابہ کرام اللہ علیہم اجمعین و متقی اور منورہ من اللہ کہا ہو۔ سورہ توبہ میں تو اس طبقہ کو دینی و مرضی تہذیب کیا گیا۔

اور شاد حق ہے۔

فلا تلبسوا بالثياب التي تكونون فيها . لعلكم تحرجوا
اور چوتھا چوتھوں میں اور تیسرے درجے میں رہنا
واللہ اعلم بالصواب . واللہ اعلم بالصواب .
یعنی اللہ ہی اللہ ہی اللہ ہی اللہ ہی اللہ ہی اللہ ہی

ظاہر ہے کہ ان کلمات سے دینی جوئے کے معنی اس کے سوا اور کیا ہیں کہ وہ اللہ کے بر فعل سے ناشی اس کی ہر تقدیر پر شاکی اس کے بر تصرف پر خواہ وہ ان میں ہو یا عالم میں مطمئن اور اس کے ہر حکم پر۔ فناء قلبی کے ساتھ سیرت پر محکم ہوئے ہیں فناء برابر شاکی یا اس سے حل تنگ نہیں ہیں صحابہ کی رضا سے تو ان کی محبت خداوندی اور تعلق مع اللہ کی خشکی ناپاں ہے۔ ورنہ اگر محبت نہ ہو تو خدا کیسی؟ عداوت یا بے تعلق میں رضا کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور اللہ کے ان سے دینی جوئے کی بھی یہی صورت ہے کہ وہ ان کے ظاہر و باطن سے طاعتی ان کے نیات و خواہش سے خوش و وہ ان کے اخلاق و اعمال پر اعتماد فرمائے ہوئے ہو۔ ظاہر ہے کہ اگر ان کے دلوں میں کھوٹ خیرتوں میں قوتور اور معاطات میں فتنہ و فساد ہوتا تو نہ ان کے کوئی خی ہی نہیں ہو سکتے تھے۔

صحابہ کے اس مرضی عند اللہ ہونے سے ان کے تمام امور و شے میں ان سے حوس ہوئی تھی صاف غایاں ہے۔ حوس حوس و ہوا اور دلوں کا رخ صریح نہ ہونے کی صورت میں رضا مانگی کا اعلان اور طبع علی الاطلاق اور ہر سے دواشی اور ابوری کہ قرانی ہونے کی وجہ سے اس وقت تک ہے جب تک کہ قرآن باقی ہے جو اس سبب ایداللہ ہا دمک باقی ہے۔ تو رضا بھی تابنا ہے اعلان رضا باقی رہنی ضروری ہے۔ ورنہ قول و فعل خداوندی میں مطابقت نہ رہے گی جو محال ہے

اس لئے تابقائے رضا ہی ان کے قلوب سے ذوقِ معصیت اور دلوں کے
کھوٹ کا منفی ہونا بھی لازمی اور ناگزیر ہے۔ ورنہ حق تعالیٰ کی درنا معصیت
اور ذوقِ معصیت سے لازم آئے گی جو محال ہے جس سے اس پاک نبیِ طہ
کا ذوقِ معصیت اور نفسِ معصیت سے دور اور گریز اس ہونا واضح ہے۔ اسی
کا نام مقامِ محفوظیت ہے کہ طیبات میں گناہ سے نفرت کا ٹکڑہ پیدا ہو جائے
اور اوپر سے سابقِ مخالفت جمع ہو جائیں۔ پس صحابہ معصوم تو نہیں ہیں کہ معصیت
کا صندوق سے محفوظ نہ ہو مگر محفوظ ضرور ہیں کہ ان کا ظاہر و باطن مرضی
الہی ہونے کی وجہ سے معصیت سے محفوظ ہے۔ خصوصاً اس امانتِ الہی کے
بار میں جس کے وہ دوزی اول اور مخالف دواعی اول بنائے گئے یعنی دین
خداوندی۔

پھر ظاہر ہے کہ ایمان کی طرف ضعف رجحان ہی معصیت کا سامان ہوتا
ہے تو قرآن حکیم خود دوسری جگہ اس کی بھی نفی کر کے ان کے زسوخِ ایمان
اور کمالِ رشد و ہدایت کی کھلی شہادت دی۔ فرمایا

وَمَنْ يَتَذَكَّرْ فَإِنَّهُ عَلَىٰ بَيِّنَاتٍ	لیکن جو توبہ سے جان کو لوے کہ دوسری میں موبہ
وَيَرْتَدَّ فِي قَلْبِهِ لَمَّا شَاءَ	یا تو لوٹ آئے کہ دیا چاہے اور کفر و فسق دور
الْكُفْرَ وَالْعَصْيَٰءَ	گناہ گمان کے نزدیک کہہ دے ہر ہر ہار
إِذْ لَمْ يَكُنْ لَكَ حِسَابُ يَوْمٍ	یہ لوگ پہچان رکھ لے کہ فضل و نعمت
نَفْلًا مِّنْ إِلهٍ وَفِعْلَةٍ	

پہلی آیت سے ترجمہ یہ کہ ایمانی اور مہوا دوس سے پاک کرنا ثابت

قلوبہم المستویٰ لہم مغضیۃ
تقویٰ ہے جانے یا جانے ان کے لئے مغضیۃ
وہ جبر حقیقہ۔

اور قرآن شائد ہے کہ تقویٰ کی طبعی خاصیت معصیت کا دھیان آستے
ہی فوراً ختم ہے جیسا کہ ارشاد ہے۔

ان الذین اتقوا اذا مشہو
چند ہر جو کہ اگر مشہو ہے ہی حبیب ہو گیا
طائف من الشیطن تنزلہ
کہ کہ تو نہ دینی معصیت چھوڑ دیتی ہے تو نہ کیا
فاذا ہو بہرہ و دین
ہو کہ پختہ ہی اللہ حقیقت علی ویکہ پختہ میرے

ظاہر ہے کہ جب عمومی تقویٰ کی خاصیت یہ اچانکی کا غلبہ اور نہ کر ہے
تو جو تقویٰ آزمودہ خداوندی بلا را حلال کر دے وہی ہو اس کے راستہ سے
معا یہ کو جو غلبہ ہوتا ہو گا نوازہ نہیں کہ وہ کس وجہ کا ہوتا ہو گا اور اس کا پیدا
کردہ غلبہ ہی کس تو نہ کا ہو گا؟ جیسا اس کا تصور بھی بعد کے لوگوں کے لئے
نہیں کیا جا سکتا۔ پس اس کا حاصل یہ نکلا کہ اگر انسان میں شیطان اور اس
کے خواہش کبھی طبعیت میں وسوسہ معصیت آجی جاتا ہو تو یہ آزمودہ خداوندی
تقویٰ فوراً اساتھ آتا اور انہیں متنبہ کر دیتا تھا جس سے وہ بلا حول پڑھ کر اس
خطرہ سے بھی مدد بھاگ پڑتے تھے۔ جس سے صاف واضح ہے کہ وہ معصیت
کے وسوسوں پر بھی جیم نہیں بیٹھتے تھے یہ جانتیکہ اس کے لئے کتاب پر جبری ہے
حقیقت یہ ہے کہ عمومی تقویٰ وہاں تھا کہ خصوصی استحکام ان کے لئے
اس وجہ سے تھا کہ اولاً تو انہوں نے برسوں سے بلا واسطہ کسب فیض کیا
تھا اور معصوم سے بلا واسطہ فیض اٹھانے سے محفوظ رہا تھا۔

مقام ہے در سر سے وہ بحیثیت محمدی رسول کے ہالٹین اہل نماز و حجہ ہونے والے تھے اور نماز و حجہ یا نیا ہمت کے لئے غیب کے اوصاف سے کامل تھا۔ اور تائید فرمائی ہے۔

اگر معاذ اللہ ان میں عوام یا غراس صورت عوام کی طرح طبیعت کا سیلا عوامی کی طرف ہو تا تو تنوں و طبابت میں تامل ہوتا یا سادہ فائزہ طبیعت ہوا مال بیٹنے کی مصیبت کی طرف ہوتا تو دین یا دنیا حاصل صورت میں آگے چلی ہی نہیں سکتا تھا کیونکہ آگے چلنے کا اولین ذریعہ یہی لوگ تھے۔ اس لئے انہیں دین اور دینی سلسلوں کی بقاء و تحفظ کا خاطر خصوصی طور پر پاکر ہی مقدس اللہ بجا ایک نہاد بنایا گیا۔ بلکہ انہی حدیث پہلے ہی سے اپنے رسول کی صحبت و معیت اور دمی کے علم و عمل کے جنبہ کسے کے لئے منتخب کر لیا گیا تھا۔ بہر حال دین مختل دین در نقل سلسلے دین کے بارہ میں یہ طبقہ کا طبقہ بلا تخصیص و استثناء قطعی طور پر ذوق معصیت سے مزین اور ہر انداز کی کھوت سے منور تھا۔ جیسا کہ آیات سابقہ کا متفقہ ہے۔ پھر بھی اگر یہ عقائد بشری کسی دیر کی کام دیا ہے کوئی قطعی سرزد ہو گئی اور وہ بھی عوام صحابہ سے تو اسی ہے میں جہاں ان کے تقویٰ کو از حد و حق تنگ آیا گیا وہیں انہیں پیشی مغرر ہوا ہر عظیم کی بدلت بھی متا کرنا ہر کردیا گیا کہ وہ محدود حساب و غضب نہیں ہوں گے کیوں کہ ان کے قلوب کا رخ ہی مصیبت کی طرف نہیں محض غلبہ عودش سے اتفاقاً ہی ایسی صورت کسی کبھی ہو سکتی تھی جسے ان کے قلبی امالی یا معاذ اللہ کسی ذوق معصیت کا نتیجہ نہیں کہا جاسکتا۔ لہذا ہر جانے پا کر

وہ عوارضِ غریبہ ہی سے جو عظیم آئینہ و نہایت ان سے ظاہر ہوتی تھی وہ اتنی عظیم تھی کہ اگر اسے پوری امت پر پھیلا دیا جائے تو وہ کل کی کل امت کی منفرت کے لئے کافی ہو جائے جیسا کہ عوامین مالک رضی اللہ عنہ کے بارہ میں اس فوج کا ارشاد نبوی و لد ہے انورین صورت یہاں حیاتی معصیت بھی یاد رہے بھی عوام صواب سے ان کے لئے مزید ترقی دے گا اور فوج المنزلی کا ذریعہ ثابت ہوتی تھی اس لئے شکی ہی انھیں مغفور و ماحور ہونے کی بشارت دیدی گئی اس سے ظاہر ہے کہ عوام میں سے بھی کسی تغافل معصیت پر اصرار یا استمرار ممکن نہ تھا اور جیسا کہ عوام صواب اس کے شکار ہوتے پس یہی سبیل التفرل بات بھی صواب کے عوام کی حد تک تھی خواص صواب و مقربین نبوتہ جو نور نبوی تھے اہل جن کے مناقب نام بنام اسان نبوتہ پر بیان فرمائے گئے جو ان کے خصوصی قرب پر وال ہیں اس احیائی غرض سے بھی بات کرتے ہیں وہ مخالفت خداوندی ہے جو ان راستوں سے ان کے نصیب فرمائی گئی تھی جس سے انھیں معصوم تو نہیں مگر محفوظ من اللہ مانا گیا ہے۔ ان حضرات میں خصوصیات مزاج کا تفاوت ضرور تھا اور یہ خصوصیات تکمیل نفس کے بعد بھی ذاتیں نہیں ہو سکتیں۔ لیکن نفس کے مرکز اور نقطہ نفس سے پاک ہو جانے کے بعد اس نفس مقبول کی یہ ساری خصوصیات ہی مقبول ہو جاتی ہیں اور ان کے سرزد شدہ اعمال ہی لامحارہ و رہم قبول تک پہنچے ضروری ہو جاتے ہیں کیونکہ ایسے محفوظ من اللہ کاملین کی طبعاً ہی حد حقیقت شراٹ پر وصل ہوتی ہیں اور امور شریعہ

ان کے امور طبعیہ پہ جانتے ہیں رنگ رنگ الگ ہوتا ہے مگر قبولیت کا امتحان سب میں قدر مشترک رہتا ہے۔ عوام الناس باوجود بے کیف قسم کے لوگ ان کے بعض ظاہر اعمال کو دیکھ کر انھیں طبعی بات سمجھتے ہیں باوجود سمجھ کر ان پر ترف نٹ ہو جاتے ہیں بلکہ انھیں اپنے اوپر قیاس کر کے معاذ اللہ مرتکب عیاشی ٹھہرا دیتے ہیں حالانکہ وہ غفلۃ اللہ تشرعی رو سے ملے ہوئے اور مقبول عند اللہ ہوتے ہیں۔

اسی لئے قرآن حکیم نے صرف ان کے دلوں ہی کی پاکی بیان کرینے پر کیا ہے نہیں کی بلکہ ان کے باطن کی صفائی اور پاکیزگی کے ساتھ ان کے ظاہری اعمال کی تحسین۔ ان کو طاعت اور عبادت کی ہمہ وقتی تہنید و سجود سے ان کی پیشانیوں کی نورانییت اور پیر کتب سابقہ سے ان کی پاک باطنی اور ماضی ظاہری کی شہادۃ ان کے دین کا سوخ و آشکارا ان کے ایمان کا ان کے دل کی گہرائیوں میں جاگزیں ہونا اور ہر وقت ان کی مدنا و آہی کی طلب و مستعدا یہ معیت میں اور شاد کی گئی تاکہ ان کے ظاہر اعمال پر بھی کسی کو شک نہ ہو کہ وہ کاموقع دین کے فرمایا۔

والذین معہ اشکاء علیہ	اور جو لوگ آپ کے صحبت یافتہ ہیں وہ کافروں کے
اکفاسہم رحماء منہ ہم تہم	کافی ہیں عزیز ہیں، پیوستہ ہیں، مہربان ہیں۔
رکعہ مسجد! یستعینون	غائب تو ہیں دیکھنا کہ گھبرا کر رہے ہیں
نضلاً من ظلم و م ضلوا	کچھ مسجد کو پہنچے اللہ تعالیٰ کے فضل و رحمت
سبحانہم فی وجہ صراط	کہ جہنم میں ملے ہیں ان کے آثار پر ہر اثر سجدے کے

اشرار سمجھو نہ ہن ہشتم علم
 ان کے چہروں پر غبار میں نہ ان کے اور نہ
 لاشوق و ریشہ چھ
 میں ان کا یہ وصف ہے کہ بچہ کی طرح نہ
 فی الزنجیر کسور ہاں خوش جو
 اچھا سنی نگاہ پھر اس نہ سہ کو قوی کیا ہر
 ذرا رنج و استغفار و استغفار
 در کشتی اور موتی موتی ہر چہ شہ پر سیدی
 علی نہ قہ و عجب انور
 خیرا بر کج کرت ہوا، صلی علی محمد و آلہ
 لیغیرہا کفار و کفار
 علی تاکہ نہ سے کافرا و کفار و کفار
 ہاں صاحبوں سے جو بران و کفار
 ہر گاہ کہ کر سے جہاں سے ارا جہ جہاں
 ہر گاہ کہ کر سے جہاں سے ارا جہ جہاں
 کہ کھا ہے۔

جس سے واضح ہے کہ وہ نہ صرف، بر ذائل نفس ہی سے پاک، مجھے بلکہ تمام
 فناءں اعمال سے بھی آراستہ تھے، اقدار و فرائض، طاعت و عبادت میں ہمہ
 وقت اعلیٰ زندگی میں مشغول تھیں۔

اس لئے حدیث نبوی میں ان تمام تقدر میں کو علی، طلاق خیمہ ہدایت
 قرار کیا کہ ان میں سے بس کا واس بھی چکڑوں کے ہریت پا جائز کے ہریت
 کے بغیر ممکن نہیں کہ ان میں سے ہر ایک کی زندگی جسم و دین نہ بن گئی جو در نہ
 ہر کسی کو ہر زندگی میں بھی ہدایت کے بجائے معاوضہ شہادت کا رخ موتا تو
 علی طلاق خیمہ ہدایت نہ لے رہا ہوتا اور وہ بھی سب کو بلکہ زیادہ سے
 زیادہ نام بہام صرف اسی کے افراد کی تشخیص کر کے کہا جاتا کہ نلاں اور فلاں
 کی پیروی میں نہ ہوگی کہ ان میں خیمہ ہدایت صرف وہی ہیں، غور کیا جائے

حقائد کے لئے میں ادا کسوتی بتایا گیا ہے۔

اس بحث میں کی توفیر و تنظیم واجب ان کو حق میں نہ کوئی مرام ان سے
عن نظر اور ان پر اعتماد و ثقہ لازم اور ان سے سبب شدہ بلکہ تفصیل و استثناء
بوسطن آگئی و درمیانہ ہی کے ضروری ہے عن اجہم فیہی اجہم و عن
المنہم فیہی المنہم اور ان پر جملہ نکات و بے باکی یا انہیں اپنا جسامت
کر ان کی بدگوئی کرنا یا ان پر زبان طعن و ملامت و زکرتا یا ان پر نکتہ چینی کرنا
ممنوع شرعی ٹھہرا ہے اہل سنت و الجماعت کا مذہب ہے میں پر تو باوجود دنیا
مٹی ہر فاسق و فاجر ہر فاسق اور موصیاء و مصلحت کے ساتھ جھپٹے آ رہے ہیں
اور اسی کو قرآن حدیث کی رو سے اپنا قلمی مستند جانتے ہیں۔

صحابہ میں اختلافات ظہور ہوئے ہیں جنہیں آیات و نصوص شریعہ کے
عزائم کے مطابق مشاہدات صحابہ کے عزائم سے یاد کیا جاتا ہے لیکن ان میں
ظہور و تغیر و اختلاف و دیانات سے متعلق تھے جیسے مسائل ظہیر اور
احکام فریضہ کا اختلاف یا سیاسی اختلافات تھے جیسے خلافت و امامت اور
ہیں سے اختلاف احمد کا اختلاف بہر دو صورت و شریعت سے متعلق تھے اور ظاہر
ہے کہ نفس اختلاف مذہب و مذہب کوئی قابل اعتراض چیز ہے۔ مگر یہ اور
تشریح کا کونسا واقعہ ہے جس میں اختلاف نہیں اور انسانوں کا دلچسپی سے
ادنیٰ عہدہ کونسا ہے جس میں اختلاف نہیں ہوا۔ شرائع میں اختلاف رہا ہے
جس کا نبیاء و علیہم السلام کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ یعنی ان کا اختلاف
مزانجاء اختلاف رائے و ذوق و شرائع کے ذریعہ نمایاں ہوا۔

معقولات میں اختلاف رہا ہے جس کو فلاسفہ کا اختلاف کہا جاتا ہے۔
اجتہادیات میں اختلاف رہا ہے جس کو ائمہ ہدایہ کا اختلاف کہا جاتا ہے۔
فتاویٰ میں اختلاف رہا ہے جس کو مفتیین کا اختلاف کہا جاتا ہے۔ قوانین
میں اختلاف رہا ہے جس کو حکام و سلاطین کا اختلاف کہا جاتا ہے۔ مسائل
طب میں اختلاف موجود ہے جس کو اطباء کا اختلاف کہا جاتا ہے۔ کائنات
کہ مادی و مادی عقلی و حسی و حقیقی یا وجدانی کو سائنس نے جس میں قواعد و
اصول اور مسائل و فروع کا اختلاف نہیں۔ غرض کون کون معقول ہو یا عقل
اہل فن کے اختلاف سے خالی نہیں اس لئے نفس اختلاف کو مذہب نہیں بلکہ
انسانی جوہر کہا جائیگا جبکہ خود انسانی مہارت معقول فہم و ذوق و وجدان وغیرہ
سب ہی میں تفاوت ہے تو یہ سارے اختلاف لازمی ہیں۔

پھر انسانی صورتوں، رنگوں، ڈھانچوں، قد و قامت اور بدنوں کی
ساخت تک میں تفاوت و اختلاف موجود ہے تو بالکل قوی سے اختلاف
کیسے مرتفع ہو سکتا ہے؟

انسانی کئی و افعال کا تفاوت ختم ہو تو یہ اختلاف ختم ہو اور یہ ختم
ناممکن ہے تو اختلاف کا سٹ ہا بھی ناممکن ہے اور ظاہر ہے کہ جب
اختلاف ظاہر و باطن انسانی فطرۃ ہے تو فطری امور کسی مذہب نہیں ہو سکتے
اس لئے اختلاف راستے کسی مذہب نہیں کہلایا جاسکتا۔ اس لئے مسابہ کا
اختلاف کسی کسی مذہب نہیں ہو سکتا کہ یہ ظہور فطرۃ ہے ماسی کو مدیہ و بوی
میں رحمت فرمایا گیا ہے وہاں اختلاف امتی و رحمت و اسدۃ البیت اختلاف کو بے عمل

یا بدعتی سے بغیر صرف میں استعمال کرنا یا نفسانی مفادات کا آلہ کار جس کا نام خلاف ہے اختلاف نہیں۔ بلاشبہ فتنہ و فساد اور مذہبوں کے جس کو دہریہ لوگ کر سکتے ہیں جس کے دیوں میں کھوٹ نیتوں میں فساد ذاتی اعتراض و مقام کا جہوم ہو لیکن یہ ثابت ہو چکا ہے کہ حضرات صحابہ اس قبیل کھوٹ اور بڑبڑی سے مبتلا ہیں ماس لئے انکا غلطی حمل کسی بھی رنگ کا ہو بھلا مذہب مذہب نہیں کہلا سکتا بلکہ فتنہ فتنہ عمل کی پاکیزگی کے ساتھ اگر صورت حمل غلط ہو جائے تو یہ ممکن ہے مگر نہ مصیبت نہیں خطا نہ فکری ہے جس کو فساد اجتہادی کہا جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ خطا اجتہادی رنگ وہ ہے نہ مصیبت بلکہ اس پر ایک اجر نسا ہے جس سے اس کا

قربت ہونا مفہوم ہوتا ہے تو صحابہ سے فساد اجتہادی کا صدور کوئی امر حمل نہیں ماس لئے اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے کہ صحابہ میں اختلافات ہوئے لیکن ضرور کہا جائے گا کہ بطور عقیدہ کہہ کیا جائے گا کہ وہ شر سے خلاق تھے جب کہ ان کا مشاء پاک تھا۔

کیونکہ شر کے معنی اعراض و شعور کے ہیں جو نفسانی بوق ہیں اور وہ اصول و دینی ہو سکتی ہیں جو دنیا میں جو جب فساد و نزاع بنتی ہیں۔ تب ہی اور نہت مال ہی دونوں مدلیے ساری مصیبتوں کا سرچشمہ ہیں اور انہی دو چیزوں کا نام فی الحقیقت دنیا ہے جسے حدیث نبوی میں ماس المصیبت فرمایا گیا ہے۔

حسب الدنیایں ہیں کل خطیئۃ صحت دنیا ہی سارے گناہوں کی پرست
 سو حضرات صحابہ ان دونوں مذہبوں سے پاک کر دئے گئے تھے۔
 ان کا قوسے باطن معیاری اور مثالی ہو چکا تھا جس کی شہادۃ حق تعالیٰ
 نے دی اور اسی لئے جماعی طور پر ساری امت نے سارے صحابہ کے متفق
 اور مدد مل ہوئے پر اتفاق کیا۔ چنانچہ وہ مسلمانوں کے فاتح بھی ہوئے۔
 تابع و تحت بھی ان کے ہاتھ آئے لیکن ان کے قلبی زہد میں کوئی فرق نہیں
 آیا مگر کہ باہمی اختلاف سے بھی ان کی قناعت و توکل میں کوئی ادنیٰ غل
 نہیں ہوا۔ خود امت دامانہ میں کی آئی۔ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ حضرت علی
 رضی اللہ عنہ اگر متعین ہیں کامیاب ہوئے تو انہوں نے عملات بنا کر کھڑے
 کر لئے ہوں یا امیر مہادیہ رضی اللہ عنہ اگر شام میں کامیاب ہو گئے تو ان
 کی اذیت الی اللہ اور طاعت و عبادت میں غل آگیا ہو۔ اس لئے بلاشبہ ان
 حضرات کا اختلاف بشر سے خالی اور محض اجتہادی تھا جس میں توجہ الی اللہ
 یا توجہ الی نفس کے بجائے صرف توجہ الی اللہ واضح تھی اور محض نسبت پر
 مبنی تھا۔

جھگڑتے تھے لیکن نہ جھگڑدہ میں نہرتھا
 خلاف آشتی سے خوش آمدہ تھے۔

مشابرات صحابہ کے بارے میں یہ رویہ صرف محدثین اور فقہاء ہی کا نہیں بلکہ
 محقق مؤرخین کی طرف سے تحقیق بھی یہی ہے کہ صحابہ کے جھگڑوں میں خیر تھا
 یعنی یہ حتمہ ہی نہیں بلکہ تاریخی نظریہ بھی ہے۔ چنانچہ محقق ابن خلدون جو

نہاں عباسی صاحب کے یہاں بھی ناقابل اعتبار نہیں ہیں حضرت علی اور
اس پر معاویہ رضی اللہ عنہما کے باہمی جھگڑے کے بارے میں کہتے ہیں۔

ولما وقعت الفتنة بين علي و
معاوية وهي مقتضى العصبية
كان هريرة يقيم فيها عن ذلك
ولم يكن يوافقهم ما بهتم بهم
وتيسر ولا يشاء باطل ولا يستقام
حقن كما قد يتوهه متوهه
ويؤثر اليه ملحد رافضيا
أختلف اجتهادهم
في الحق ذقتوا عليه دان
كان العصبية عنى لنصر
يكن معاوية قائما فيها
لقد اباطل انما اتهم
الحق وخطاؤا لكل كالوا
في حواصلهم على حق۔
ابن عساکر ص ۱۰۰

اور جامعہ طبرستان کے درمیان طوائفی
ہوئی جو طوائفی عصبیت کا ترجمہ تھا
تفاوت صاحب کا طوائفی نہیں ہے بلکہ
جہاد تھا وہ ان طوائفیوں کی کسی چیز
میں باطل اور حق کے یا کینہ دہی سے نہیں
پشت تھریا کہ جس دہم پر صحت و کمال اس
قسم کے دہم میں پیش نظر ہونے ہی اور بد
دین کے کھینچ کر کھینچ کر دینے کے جس حقیقت
پر کہ حق کے پاس اور میں ان کا اجتہاد و علم
جو کیا تو اس پر کوئی شک اگرچہ صاحب پر حضرت
علیؑ نے ایک حضرت معاویہؓ کی کسم پرسی
نقد یا علیؑ پسندی سے کڑی نہیں ہونے
تھے یہ وہ ان کا بھی حق علیؑ اور حق معاویہؓ کا
تساوی کا اس پر حق سے علاوہ کھری ہوئی اور
”درستی کل کمال، چنے کا مد میں حق پر ہے۔“

البتہ اس سے انکار نہیں کہ ان خلفاء نے اختلافات سے ایک گروہ سے
نامائز فائدہ اٹھانے کی کوشش کی اور وہ منافقین اور غرض مندوں کا

گمراہ تھا کسی نئی ہی مفاد حاصل کیا یہ عرض مند تھے اور کسی نے ان حکمت کو بنام کرنے کے لئے طاعت کو جذباتی رنگ دیا۔ یہ منافقین تھے اور کسی نے اس اختلاف کو ہوا سے کر فریقیت کے معتقدین اور متوسلین کے جذبات کو بھارا اور اختلاف و محال کو محض اس کی صورت ماننے لاکر اختلاف فضائی دکھایا۔ کہ اہل ہزار اور ماسدول کا گروہ تھا جنہیں اس پاکہ از جماعت کو بنام کر کے اسلام کی توسیع اور توسیع غلو مانتے اور کٹا تھا جو سب کی طرح برستی جلد ہی تھیں۔ بہر حال عرض مند منافقین اور ماسدول کے ان اختلافات کو ہنس بڑے عنوان سے دے کر دنیا کے سامنے لائے کی کوشش کی تاکہ ادھر تو ان کے مقاصد دنیہ اور اخراہی دنیویہ پوری ہوں اور وہاں حضرات سے لوگ بدظن ہو کر اسلام سے کٹا لے لیں مگر حقیقت یہ صحابہ کا مقدس گروہ اپنے ہی مقام پر تھا اور بلاشبہ ان باطنی مسائل سے پاک تھا جن کی طرف انہیں نسبت دی جا رہی تھی یہی وجہ ہے کہ میں دور ان اختلاف میں بھی جب فریقین کا کوئی معتقد فریق ثانی کی شان میں کوئی گستاخانہ بات تو میں آمیز کر بھی کہہ دیتا تھا تو فریق اول کے بزرگ اسے دانتے اور اپنے حلال کے منصوص فضائل شمار کرتا اور اسے گردیتے تھے۔ جس سے تاریخ کے احادیث بھرے ہوئے ہیں جس سے واضح ہے کہ فریقین کے قلوب ایک دوسرے کی ذاتی عظمت سے بے برتری تھے۔ اختلاف اصول کی بناء پر تھا نہ کہ ذاتیات کی بناء پر۔ بجز ہر گز تھا تو اپنی راستے کے مطابق صرف تحفظ دین اور بقائے اصول دین کا تھا کسی نفسانی

سند یا مناد یا حسن یا لدی اللہ نفس پر عمل کا نہ تھا۔

پھر بھی اگر کسی دائرہ دنیا کے احمد میں کسی درجہ میں کوئی کمزوری مبتلا
بشریت ثابت ہو جائے یا جو بظہر منور ہو سکے کہ کوئی لغزش نظر آ سکے تو
ان حضرات کے مخصوص فضائل و کمالات متبع کثیر و عظیم ہیں کسان کے مقابلہ
میں ایسی حدود سے چند شریعتیں ماقبل و متذریعہ کے نزدیک کوئی قابل انتقاد
درجہ نہیں لکھتیں کسان پر سکے دست کے جائزے یا آج تیرہ سو صدی کے بعد غریب
نفس ان کے فیصلے کرنے بیٹھ جائیں۔ انہیں صورت آنکھ اور دل دونوں
ہی کا انداز ہو گا کہ صحابہ کے بارہ میں اسے قرآن و حدیث کے بیان کو یہ
فضائل کا یہ عظیم و عظیم ذمیرہ تو نظر نہ پڑے اور تادیب کے کچھ حقیرانہ نظر نہیں
جو کامیاب عمل بھی ممکن ہو جو صرف عمل کے درجہ کے ہی نیت کے درجہ
کے نہیں۔ معصیت کے درجہ کے نہیں بلکہ زیادہ سے زیادہ غلط
فکری و اجتہادی کے درجہ کے ہیں اور انہیں لے کر وہ سب ان پر زہن
طرح کھینچنے اور ان پر حکم لگانے سودا کی برائی نہیں اس احمق کے قلبی
کھوٹ کی دلائل ہوگی حقیقتاً ان پر شکستہ سپنی کٹا ان کے منصب اجتہاد کی
توہین اور قرآن کا سدا ضد ہے جسے قرآن کریم صاف کرتے دلا نہیں ہے۔
چنانچہ ان مقدمہ میں کے سلسلہ سے ہار لیتے پیدا ہونے میں جن میں سے میں
رفیع المرتبت ہیں اور ایک نفسیں و ذلیل ماس سے تین طبقوں کا اپنی جگہ
میں یکجائی طور پر ذکر کیا ہے جو اتنے ذلیل قابل ذکر تھے اور جو تھے جہت کہ اسکی
خستہ و دناشتگی جوہر سے اس میں کے ساتھ ذکر قابل ذکر نہیں تھا تو چھوڑ دیا

مگر وہ اس کے مفہوم سے خود بخود فہم نہیں ہو جاتا ہے۔
 ان میں سے دو طبقے تو صحابہ کے ہیں، ایک مہاجرین اور دوسرے انصار۔ ان کا
 ذکر کیا اور انہیں ان کے خطرات سے سرفراز فرمایا۔ اور دو طبقے ان کے بعد کے
 آئے والے لوگوں کے ہیں، ایک مقبول میں کا ذکر احقر کے ہے، انہیں کیا تہ فرمایا اور
 دوسرا مقبول ہے ان کے ساتھ ذکر ذکر کے قابل نہیں سمجھا۔ صحابہ کے دو
 طبقے مہاجرین و انصار ہیں۔ مہاجرین کی شرح و ثنا کر کے انہیں صادقین
 کا خطاب مرحمت فرمایا۔ ارشاد حق ہے۔

مفقروا المهاجرین الذین اخرجوا	ان مہاجر مہاجرین کا حق ہے جو اپنے
من دیارھم ووالھم یدبتون	مخروں سے اور یہ ان کے جا کر دینے
فقلوبہن اللہ ورضوانا وبنصرہ	لئے، وہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور رضا مندی
اللہ ورسولہ اولئک ہست	کے صاحب ہیں اور وہ اللہ اور اس کے رسول
الصالحون والصلح	کی مدد کرتے ہیں یا وہ جو لوگ چھ ہیں۔
انصار کی شرح و ثنا کر کے انہیں منجیہ کا خطاب مرحمت فرمایا۔ ارشاد حق ہے۔	
والذین تبوء اللہ فی الدین والاہل	ان لوگوں کا جو دین و دھرم میں ایمان
من قبلہم یحبون من حاجہ	عین دین کے نیک سے قراہت ہوئے ہیں جو
الیہم ولا یجحدون فی مددہم	ان کے پاس ہجرت کر کے آتا ہے اس سے
حاجۃ متا او تو او یونون علی	لوگ نہت کرتے ہیں اور مہاجرین کو جو کہ نہت
انفسہم ولو کان بہم خصاصۃ	ہے اس سے اپنے دلوں میں کوئی شک نہیں
ومن یوق شرھ نفسہ فاولئک	ہاتھ اور ہاتھ سے منہم رکھتے ہیں اگر تم ان سے

ہم ہمتیوں ہمتیوں ہر دور جو شخص اپنی طبیعت سکھاتی ہے
 مہر و مہر ہوتے ہیں یہ بھی لوگ خدا کا پارسہ ہوتے ہیں
 صحابہ کے بعد مہر الہیہ جو قیامت تک ان کا عقیدہ نہ بدلتا و گرویدہ
 اور ان کے حق میں ہر طرف دل اور دماغ کوئی نہیں مستغفرین کی صفت
 سے یاد فرمایا گیا۔

و ان یمن حاداً من بعد ہم اور ہر لوگوں کا جو ان کے بعد ہے
 مدوہوں سرما تشوہنا و دما کرتے ہیں کہ اسے ہمارے پوری دکھ
 زحمتناں میں سمجھو یا ہم کو جس جیسے اور ہمارے دے ہمارے
 بلا صیانت ولا بعدل فی قلوبنا ہر قسم سے چلے ایمان لا پہنچے جیہ اور ہمارے
 علما غلبہ من مواریثہ و اور ان کی بات و امور کی طرف سے کیسے نہ
 رد فہرستہ ہر دور ہوتے دیکھتے ہوتے ہمارے رہا آپ رہے
 شہین رہیم ہیں۔

یہی ہے وسیع ہے کہ بعد سے آنے والوں کا فرض یہ ہے کہ وہ ان
 باتوں سے نہ دھار مغفرت کے ساتھ اپنے عیب کو ان کے بارے میں علی
 غش سے پاک رہیں سو ظن و شبہ اختیار نہ کرے دور رہیں اور ان کے حق میں
 مستغفر سے ساتھ دماغ و دماغ رہیں نہ کسی سے بعد و لوگوں کی نجات و مقبولیت
 ممکن ہے۔ ان تین انواع کے بعد جو تھی نوع و رہ جاتی ہے جو صحابہ
 کے حق میں دماغ نہ ہو بلکہ ہر لوگوں میں ان کی طرف سے کھوٹ
 اور غش و غش ہوئے ہوئے ہو۔ اور ان عیب و کمزوری کے ساتھ ظن و شک و شبہ

اور ان پر نکتہ پڑی سے پیش آئے تو اس طبقہ کے خیریں اور ذلیل القلب ہونے کی وجہ سے قرآن حکیم نے اسے ان تین کے ساتھ ملا کر اپنی عبارت میں جگہ نہیں دی اور انہیں قابل ذکر نہیں سمجھا۔ اکتبہ مفہوم آیت سے دلالت دہ ظہر کجہ میں آجاتے ہیں۔ کیونکہ صحابہ کے بعد کے طبقہ میں اگر کوئی اس دعا کو طبقہ میں نہ ہو گا تو قدرتا اس کی ضد یعنی بدگوئیوں کے طبقہ میں ہو گا۔ جو بالمتایسۃ لانت قرآنی سے مفہوم پورا ہے سے منطوق کلام میں لانے کی نہ ضرورت سمجھی گئی اور نہ وہ اس لائق ہی تھا۔ اس لئے اس نامہا طبقہ کو حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مذکورہ مضمون اور تقسیم طبقات کا ذکر کرتے ہوئے بالفاظ ذیل ظاہر فرمایا ہے جس کو حاکم نے اپنے مستدرک میں روایت فرمایا ہے۔ اور ابن مردود نے اس کی تصحیح کی ہے۔

قال الناس علی ثلاث منازل	سعد بن ابی وقاص نے فرمایا کہ لوگ تین
قد مضت منازلہ و البقیۃ	طبقات میں ہیں۔ جن میں سے دو طبقہ گذر
مضتہ فاحسن ما اتم کاخون	ہتے ہیں اور یک باقی ہے تو تم بہتر سے
علیہ ان لکوا یہذک الامزلۃ	بہتر طریق پر رہنا چاہتے ہو تو دوبارہ
القی بقیۃ ثم قرأ الفقراء	کہ اس تیسرے طبقہ میں رہو جو باقی ہے پھر
انھا جریں لا ثم قال هؤلاء	آیت الفقراء اللہا جریں پڑھیں اور فرمایا
لہا جریں و ہذک مالۃ قد	کہ یہ صحابہ جریں میں ہیں اور یہ طبقہ گذر چکا کہ
مضت ثم قرا والذین تبعوا	والذین تبعوا اللہ کی آیت پڑھیں اور فرمایا
اوہاں لا ثم قال هؤلاء الانھا	کہ یہ انصار ہیں اور یہ طبقہ بھی گذر چکا

و هذه منزلة قدامت شعر
قدراً والذين جاؤا من بعدهم
شعراً وبقيت هذه المنزلة
وحسن ما انتقد كائنون عليه
من تكملة هذه المنزلة
تري من مستغنياك طبعه من

المسائل اصابية

چنانچہ دور صحابہ میں بھی صحابہ کے بعد کے لوگوں میں سے جو بھی ان دو
مبتدوں و مہاجرین و انصار کے حق میں ذرا بھی کساح ہوتا یا دل میں ذرا
بھی میل ہے ہوتا تو صحابہ اسے تیسرے طبقہ (مستغنیان) میں داخل
نہیں کرتے تھے جو صحابہ کے بعد قرآن کا ذکر فرمودہ طبقہ ہے۔ چنانچہ ابن
مردودیر نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت فرمایا ہے کہ:

ان بلغة ان رجلا قال من
عون بن عبد بن عافان قعد
سیدید میں فقراً علیہ للمقد
مہاجرین او مدقل من هؤلاء
انت قال لا شعراً والذين
تبعوا الدار من شعراً
ان هو ردم انت قال لا
شعراً والذين جاؤا

عبداللہ ابن عمر کہ سلام جا کر ایک شخص
حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شان میں
کلمہ نکرتے تھے تو اسے بلایا اور پتہ
سے تھلا دیا۔ اور اس کے سامنے مہاجرین
اور بیت الفقراء مہاجرین بڑھادی اور
فرادہ کرکے تو ان میں سے ہے؟ اس نے
کہا میں تو چھڑپا ہے، اللہ والی بیت
والذین تبعوا الدار بڑھادی اور فرادہ کرکے

من بعد ہجرتہ ثلثہ قال
امن هؤلاء امت : قال
ارجوا ان اکون منهم - قال
لا والله ما یکون منهم من
ینا ولهم ولان فی قلبنا الغل
لهم۔

قرآن میں سے ہے ؛ اُس نے کہا نہیں
تو پھر آپ نے صمد کے بعد کے طبقہ مسنونہ
والی آیت و لاد کے واسطے ہم پر صحت
دیا کہ پھر کیا قرآن میں سے ہے ؛ اُس
نے کہا ہاں اسید ہے کہ میں ان سے پہلے
فرمایا نہیں واللہ وہ شخص ان میں سے کہی
جائے ہو سکتا جو صمد کے بارہ میں ستاسی
رے اور دس کی طرف سے کھوٹ و

امسائل : کافہ مثلاً

مکتہ رکعت پر۔

بہر حال جیسے صمد کے دو طبقے مباہرین و انصار قرآن حکیم سے ثابت
ہوئے جن کی علی الاطلاق قرآن سنہ تقدیس کی جس سے صحابی نام کا کوئی
ایک فرد بھی خارج نہیں رہ گیا۔ ایسے ہی صحابہ کے بعد دو طبقے اور بھی
قرآن ہی سے واضح ہوتے ایک متلون کلام سے اور دوسرا گویوں اور
عقیدہ تئروں کا طبقہ۔ اور ایک مہلوم کلام سے اور وہ بدگوئی تھا اور مکتہ چیلوں
کا طبقہ ہے ان دو طبقوں کے بیچ میں درمیانی کوئی طبقہ نہیں کہ وہ دھانگو
بھی ہو اور بدگو بھی معتقد بھی ہو اور نکتہ چین بھی۔ انہیں مقدس اور مسلم
کا معکم دل بھی کہے اور ن پر گرفتیں بھی رہے۔ اسی نے حضرات صمد بھی
اپنے بعد والوں کو انہیں دو طبقوں میں سے کسی ایک میں داخل مانتے تھے
یاد دہ گویا بدگو ان کے ہاں درمیانی کوئی وجہ نہ تھا۔ اس لئے قرآن حکیم

کے منطوق و منہج اور صحابہ کے تعامل سے بطور امور کے نمایاں ہے کہ صحابہ کے بارے میں کوئی طبقہ یا فرد جب وہ مانگو یوں میں شامل نہ ہو گا تو لامحالہ بدگوئی ہی میں داخل ہو گا خواہ اس کی نکتہ پیمانی اور بدگوئی کسی بھی درجہ کی ہو۔ اور اس لیے وہ ائمہ و رحمت خداوندی جو وہ مانگو یوں کے حق میں قرآن حکیم کی عبارت سے مفہوم ہوتی ہے بدگو یوں کے شامل حال نہ ہو گی۔

بھی روش صحابہ کے بعد سلف میں سے قائم رہی کہ وہ صحابہ کے حق میں کسی بدگو یا ان پر نکتہ پیمانی کرنے والے کو برداشت نہ کرتے تھے چنانچہ شعلیب بغدادی نے ابوذر سے ذیل کی روایت نقل کی ہے۔ جو اس کی تاجہ صریح ہے۔

ابوذر سے روایت ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ جب تم کن شخص کو حضرت صحابہ میں سے کسی کی تفتیش کرتے ہوئے دیکھو تو کہہ لو کہ وہ ازنیق ہے اور اس سے کہہ دو کہ اللہ کا رسول ہمارے نزدیک حق ہے اور قرآن حق ہے۔ یہ قرآن و نبی و سنتیں ہم کو سید ہی سے پہنچائی ہیں یہ قرآن و نبی و سنتیں ہم کو پہنچائی ہیں، اگر بلا سے ملو ہوں صحابہ کو مجروح نہ دیں۔ تاکہ کتاب و سنت کو اطل شیرازی

عن خزيمة يقول اذا مر ابيت الرجل ينتقم احد امن اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم فاعلم انه زنايق وانه ان الرسول صلى الله عليه وسلم عندنا حق والقرآن حق والله اذى اليه هذا القرآن واسن اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم انما هم بيامن ان

یہ خود اٹھو دنا لہجہ دوا
 مادہ جہاں ان لوگوں پر جو حق پاچے اور
 اکتاب السنۃ والجر
 کہ اس کے معنی ہیں۔
 اہل عراقی و عسکری و فاطمی
 کتاب، کتاب فی علم الروایۃ حلیب البخلی (۳)

بہر حال صحابہ مہتمم سالیحین اور متقدمین کا اس بارہ میں ایک ہی رائے
 تھا کہ وہ صحابہ کے خلاف نکتہ چینیوں کو کبھی اچھی نگاہ سے نہیں دیکھتے
 تھے بلکہ انہیں زندیق کہتے تھے جیسا کہ ائمہ اربعہ رضی اللہ عنہم انہیں
 بدگویوں کی جماعت میں شامل کرتے تھے جبہ قرآن نے اسکی سخت مذمت
 کی وجہ سے مقبول بغیر اس کے ساتھ ذکر کرنا بھی پسند نہیں کیا۔

ان شخصیات سے حضرت صحابہ کا مقام ان کی شاہین مقبولیت اور ان
 کے حقوق نیز ان کے بارے میں عوام کا باہمی تعامل واضح ہو جاتا ہے۔
 جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ان حضرات کے گلوبہ و فاکل نفس سے پاک ہو چکے
 تھے۔ محبت باد و مال اور ہوس اقتدار سے وہ بری تھے اور ان کی ولایت
 اولیاء مابعد کی ولایت سے بدجہان فانی اور باطنی امت کے اولیاء میں
 سے کوئی جو سے بڑا ولی بھی نہیں بدیث مصابیت کے رتبہ و مقام کو
 نہیں پاسکتا۔ اور اگر آپ فن جانتے ہیں کہ ولایت کا اولیٰ و جہ ہے
 کہ در وقت حاجت اور غنا و استغناء کے کمال سے محب باد و مال اور مرض
 و ہوس و دل سے نکل جاسکے۔ اگر دل محبت باد و مال سے پُر ہو اور آدمی
 اس میں اس وجہ منہک ہو کہ اس کے خلاف کسی کا ایک لفظ سننے کے

لئے بھی تیار ہو و اس کے خلاف کسی کی نصیحت سے مؤثر ہو نہ ہائش کا اگر تو
یہ دل کا کھوٹ ہے جس کے ساتھ دلایت جمع نہیں ہو سکتی چہ جائیکہ مقام
صاحبیت کی دلایت جمع ہو جائے جو دلایت کا ابتدائی مقام ہے اور بلاشبہ
ایک محبت ماہ اور ہوسناک فرو کے لئے حق تعالیٰ پر اعلان کبھی نہیں فرما سکتے
کہ وہ ہمارا پسندیدہ ہے ہم اس سے راضی و ہم سے راضی ہے اور ہم اس
دل کا تقویٰ و طہارت آزماتے ہوئے ہیں جس کے ساتھ معنی ہی میں اور
یہی ہو بھی سکتے ہیں کہ اس راضی و مرضی اور آزمودہ خداوندی تقویٰ و
طہارت میں مثالی تقویٰ و ذاتی بچہ حرم ماہ اور ہوس مال و غیرہ کا کوئی
گندہ نہیں۔ صحابہ کے یہی وہ منصوبہ فضائل و مناقب ہیں کہ پوری امت
لئے ہمارے سارے صحابہ کو مستحق اللہ مدلول انا اللہ بشاہدات کتاب و سنت
ان کی زندگی کو معجزی زندگی تسلیم کیا جو ہمارے ایمان و عمل کے حق میں
کسوٹی ہے کہ تا بعد تطبیق ہمارا ایمان و عمل مقبہ اور تا بعد اخوان غیر مقبہ۔
ابنہ اگر حضرت حسین رضی اللہ عنہ صحابی ہیں اور بلاشبہ صحابی ہیں۔
صحابہ و رفائیت صحابی ہیں اور اہل بیت صحابی ہیں جیسا کہ ثابت ہو چکا
ہے تو بلاشبہ وہ تمام آثار و وارث صاحبیت اور وہ تمام حقوق ان کے لئے
ماننے پڑیں گے جو کتاب و سنت نے مقام صاحبیت کے لئے ثابت کئے
ہیں۔ اور ہمیں تاریخی حود پر نہیں بلکہ بطور عقیدہ کے اس پر ایمان لانا پڑے گا
کہ اگر سیدنا امام حسینؑ بوجہ صحابی ہونے کے مستحق مدول۔ پاک باطن صاف
ظاہر محبت ماہ و مال سے بری ہوس اقتدار سے بالاتر۔ اور تمام ان

رواۓ اہل بیت سے پاک تھے جو ہی مقدسین سے نہیں کتاب و سنت و ہدیہ گئے تھے۔ پھر حضرت حسین رضی اللہ عنہ نہ صرف صحابی ہی ہیں بلکہ کرامت نبوی کی خصوصیت سے بھی مال مال ہیں جو اہل بیت کا مخصوص حصہ تھا اللہ اس کی بناء پر ان کی قلبی تطہیر اور حسن و نجس باطن سے پاکی اور بھی زیادہ و موثر ہو جاتی ہے۔ کیونکہ خدا کے برتر نہ ملے اہل بیت کی تطہیر کا خصوصی زاد و ظاہر فرمایا۔

قد یرید اللہ بفتح قلب محمدیہ
 اللہ تعالیٰ کو: مغفرت کے واسطے گھرو
 (اللہ جس اہل بیت و پیغمبر کو
 تم سے کوئی کو دور رکھے وہ تم کو پاؤں
 نہ ملے۔)

اور امام ویک صحیح اس پر شاہد ہیں جیسا کہ گذرنا کہ حضرت حسین اہل بیت میں شامل ہیں اور اس آیت کے مصداق ہیں واقعی اور (اللہ تعالیٰ) اہل بیت کا قطب و مرکز ہے جیسا کہ حدیث عائشہ و ام سلمہ و سعد بن ابی وقاص کی روایتوں سے واضح ہے۔ جنہیں صحیح مسلم و بیہقی و ابن جریر وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ چنانچہ تفسیر قطب نبوی میں سب روایتیں یک جا کر دی گئی ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ قلبی تطہیر کا کم سے کم درجہ یہ ہے کہ قلب و نبوی رزق حیات بہار و مال اور جسم و قد و وسعت سے بری ہو جائے اور آدمی عبد الدین و عبد اللہ ہم اللہ عبد الخیر نہ رہے۔ اس سے حضرت حسین صحابی ہونے کے علاوہ اہل بیت میں سے ہونے کی وجہ سے بھی بلا مشورہ ایمان کا ان رزاق سے

قلب پاک اور بری مانا جانا بطور عقیدہ کے ضروری ہے۔

ساتھ ہی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے جزور سوں ہونے کی وجہ سے
 انہیں انطوق نبوت سے جو خلقی اور فطری منہ بہت چوختی ہے وہ یقیناً دوسرے
 کے لحاظ سے قدرتی امتیازی شان لئے ہوئے ہوئی پائینے۔ اور اس سبب سے
 کے معیار سے گرد و سرسوں کی رسائی بڑے بڑے مجاہدات و ریاضات اور
 بدتوں کی صحبت و محبت کے بعد ممکن تھا تو اہل بیت و اہل انصاف
 حسین رضی اللہ عنہ کے لئے وہ اس خلقی منہ بہت کے سبب زیادہ مجاہد
 و بدتوں کی صحبت کی متقاضی نہ تھی۔ پھر اور لوگ تو بیرونی لباس نور محمدی
 میں اللہ کے رسول کی صحبت سے فائدہ اٹھا سکتے تھے لیکن اہل بیت کو
 اندرون خدادیہ دولت نصیب تھی اس لئے بوقت کے اخلاقی رنگ سے
 جس قدر وہ ہم جنس ہو سکتے تھے دوسروں کے لئے لئے سوائے حقیقیہ اس
 لئے بحقیقت اہل بیت نبوی ہوتے کے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے بار
 میں مخصوص فضائل و مناقب کی روایات بشارت وار ہوئی ہیں۔ کہیں ان
 کو سید اشیا بل الجنة فرمایا گیا، کہیں ان کو حضور نے پنا محبوب علی مر
 داکر اپنے سے درخواست کی کہ آپ بھی نہیں اپنا محبوب بنالیں، کہیں
 اسی سے حضور نے اچھی محبت کا برسر جبرائیل فرما کر دیا مانگی کہ یا اللہ
 جو ان سے محبت کرے تو بھی اس سے محبت فرما یعنی محبوب حسین کو محبوب
 خداوندی ہونے کی دعا اور بشارت دی۔ نیز وہ حضور کی افضل ذات و صفات
 زہرہ رضی اللہ عنہا کے جو گوشہ ہیں اس لئے ان کی محبوبیت یاری

دہری ہو جاتی ہے اور اس لئے اس پر لعنہ زنی اور اتہام تراشی کر غیر الہ
صرف حسینؑ کی کوستانے والا نہیں بلکہ حضرت زہراؑ رضی اللہ عنہا کو ایذا پہنچا
رہا ہے جو انہام کار اللہ کے رسولؐ کو ایذا رسانی ہے بویا کہ غلطۃ جمعیۃ
منہ من اذہا فقد اذانی؟ غلطہ میرا جڑ گوشہ ہے جس نے اسے ستایا اس
نے مجھے ستایا اسے لگا ہے۔ پس جبکہ حضرت حسینؑ کے شرفِ معیت و صحبت
قرب و قرابت اور حضورؐ سے سورتا و سیرثا اشیہیت کا وجہ ہے اور بھی حق
بڑھ جاتے ہیں تو ان کی ذاتِ گرامی پر مخصوص احترام و عقائد اور بھی زیادہ
واجب اور ضروری ہو جاتا ہے۔

پھر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے اس حالت میں تشریف
لے گئے کہ ان ساتھیوں اور اہل بیت سے لڑائی تھے تو کون بد قسمت ہوگا
کہ ان سے لڑائی نہ ہو۔ ہاں بد قسمت ہی ہوگا جو نہ منی نہ ہو اور نہ شاکا، دلی
مقام یہ ہے کہ ان میں سے کسی کے ہر ذرے میں بھی قل و غش، حق و حسد، بغض
کینہ، نکتہ چینی اور میل دل میں نہ ہو چہ جائیکہ انہیں رذائل و خلوقِ حسی
و ہوس حسبِ ہاد و مال و طیر و کی طوت منسوب کرنا ہو۔ پس ان آیات
و روایات کی روشنی میں چاہا عمومی اور خصوصی فرض اس کے سوا دوسرے
نہیں نکلا کہ ہم بنِ تخیل سے تمام صحابہ و اہل بیت سے عقیدت و محبت
کو جزوِ ایمان سمجھیں۔ ہاں مگر ان میں بہ و اہل بیت کے ساتھ ہماری محبت
حبِ تشبیہ نہ ہو جس میں نسب اور خاندانیتِ اولیٰ و اقدم رہے کہ اس
معیار سے کسی کی حدیث کی جائزہ اور کسی کی مذمت کسی سے قول اور کسی سے

تبرہ اور ایسے ہی خُبت تحریر نہ ہو کہ غارِ انِ نبوت کے نام و نشان کو بھی
 مٹا دینے کے ناپاک ہندو ہر شتمن ہو۔ جس کی ریت سے کسی کو قتل اور کسی
 کو مٹانے کی ناپاک ماسی کو دین کھا جائے۔ بلکہ خُبت تشریح ہو کہ پیچھے
 کتابِ سنت نے جو تھیں سب کی مدح کی، سب کو نجومِ ہدایت اور فقہ
 عالم بتایا سب اہل بیت کی جنت کو جو جو قربِ خاص مخصوصِ فضیلت ہی
 ہم بھی جو تھیں ان کے ذاتی و مرضی ہونے کے قائل ہوں اور دل کے
 پورے اعتقاد و اطمینان سے ان کے برابر فرقہ کے لئے خرابی تمیز اور کرتے ہیں
 بہر حال امام حسین رضی اللہ عنہ کے بارہ میں ملوثی اور غصوسی نعوس شرمہ
 کی روشنی میں اہلِ سنت و الجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ وہ جزوِ رسول اور صلیبی
 جلیلی ہونے کی وجہ سے پاک باطن پاک نیت اور عادل و اقلب تھے۔ بخلاف
 کا عمل ٹھیک تھا یا میدانی وہ دریغ کے مقدس مقام میں رہ کر بھی ہر جس
 باطن سے پاک تھے اور کہ باطن کے میدان میں جا کر بھی پاک ضمیر اور حسِ طہر
 و باطن سے پاک اور پاک چاہتے تھے۔ جس سے اللہ ہی نے انہیں پاک کرنے
 کا ارادہ ہی ہر فرما دیا تھا۔ ان کے ساتھ سورگ میں یا کوئی یا دل میں غلے
 غش رکھنا شرعی تصریحات کی مخالفت ہے ہر سہ کہ یہ اہلِ سنت کا
 عقیدہ ہے نظریہ نہیں۔ نظریہ عقل سے بنا ہے اور عقیدہ خدا و رسول
 کی خبر ہے عقیدہ دین جو تاس ہے اور نظریہ رائے۔ عقیدہ واقعہ ہوتا ہے
 اور نظریہ تمیز و انگل ہیں یہ عقیدہ ہے جو خدا و رسول کی خبر ہے بنا ہے
 نظریہ نہیں ہے جسے ہم نے تمیز و انگلہ کسی نامہ کی ریسرچ پر دلیلیں

بمالیا ہو۔ اس لئے اگر کوئی نظریہ غور و تدبیر سے ہو یا فلسفہ عقیدہ سے
 ٹکرائے گا تو عقیدہ کو پیرمال موقوف رکھ کر نظریہ کو کسی توجہ سے اس کا
 تابع کیا جائے گا۔ بشرطیکہ یہ نظریہ کسی ونجی شخصیت کا مورد نکالائے
 بدیوشی غاوند کہہ کر دیوار پر مار دیا جائے گا۔ کیونکہ عقیدہ کا رد و قبول کسی
 کارکن یا فلسفی نظریہ کے سیار سے نہیں ہو سکتا۔ بلکہ نظریات کا رد و قبول
 عقیدہ کے معیار سے ہوگا۔ صحابیت جیسی کی ان کھلی کھلی تصدیقات کے
 بعد بھی اس کا انکار یا انہام صراحتہ خدا و رسول کا معارضہ ہے۔ اور عقائد
 کی تخریب ہے

دوسرا منصوبہ

سیدنا سین رضی اللہ عنہ کی علویت و جبرائت اور جنت و شہادت
 قلبیہ کا سب سے بڑا ظہور اسی واقعہ کرہا سے ہوتا ہے کہ جس چیز کو وہ
 حق سمجھ چکے تھے۔ اسی پر جان و دے دینی گورا کی مگر باطل کے آگے
 سر جھکانا گوار نہیں کیا اور باوجود بے یار و مدد گاری کے نیک و
 تنہا باطل کے مقابلہ میں آگے اور شہادت عقلی کے مقام پر پہنچے
 لیکن اسی کو جیسا صاحب نے بغاوت کا عنوان دے کر رکھا ہے
 سے بڑا عجیب شمار کرتے اور اسی ونجی حسرت کو قرآن و حدیث و رجاء
 میں ایسے حوالہ کیسے بھی کیے کہ جو خدا کو خدا قرار دینے کی سعی کی
 ہے۔ لیکن کسی اور حضرت جبرائیل علیہ السلام کی کوئی حریفہ اچھا ہے اور

ہمت و شجاعت کا یہ غیر معمولی کارنامہ اللہ شہادت عظمیٰ کا یہ بلند و بالا
مقام ان کے نام مبارک پر نہ لگنے دے گا۔ جیسا کہ ان کی جہادوں اور ان
کے فحشیت ان کا یہ مدعا پیش کیا جا چکا ہے۔

لیکن اس مسئلہ میں جہاں تک الزام بغاوت یا فحش شہادت کا تعلق
ہے اس کے بارے میں مسئلہ اور عقیدہ میں کا جو کچھ نقطہ نظر ہے اس کے
لئے ماحول قاری شامی مشکوٰۃ شریف کی یہ ایک ہی عبارت کافی ہو سکتی
ہے جو علاوہ موثق نقل سونے کے اہل حنفیہ و اہل جماعت کا عقیدہ بھی
ہے۔ شامی محدث عقیدہ ہی کی ترجمانی کرتے ہوئے شریعت فقہ اکبر میں
تقریر فرماتے ہیں۔

وَاتِمَّا مَا تَقَوُّهُ بَعْضُ الْجُهَلَةِ مِنْ	اور جو جن باتوں نے افراد اڑ رکھی
أَنَّ الْخَيْرَ كَانَ بِأَيِّهَا ظَلَمَ	تھے کہ حسین باطنی تھے تو اہل اہل سنت و
عند أهل السنة والجماعة	و اجماعت کے نزدیک باطنی ہے شاید
لَمْ يَهَذَا مِنْ هَدْيَاتِ الْخَوَارِجِ	یہ خوارج کے ہدایات ہیں جو راہ مستقیم
الْخَوَارِجِ مِنْ أَجْلِهِ	جستہ ہوئے ہیں۔

(شریعت فقہ اکبر ص ۷۹)

جہاں ماحول نے حضرت حسینؑ پر بغاوت کا جرم عائد کر رکھا ہے
میرنجی نقل اور وہ بھی ڈوڑی کی پیش کی غی۔ حالانکہ یہ نقل اگر مسلم مورخین
کی بھی ہوتی تب بھی عقیدہ اور مکالمہ نقل کا محتاج نہیں کر سکتی تھی جس
پر عقائد کی بنیاد رکھی جاتی ہے۔ تو علی قاری نے حضرت حسینؑ پر بدعت

کا اصرار نکالنے والوں کو جالی کہہ کر اس خیال کو باطلہ خیال کہاجو ہے۔ یہ کوئی بددلتی طعنہ نہیں بلکہ حقیقتاً ان مدعیوں کی تاوان حقیقت اور غریب سے جہالت یا تجاہل پر روشنی ڈالنے کا ہے کیونکہ حضرت حسین کو باطنی کہنے کا مصدقہ اس خیالی رد مبنی ہے کہ یزید غلیظ برحق تھا اور اس کی حقانیت کی سب سے بڑی دلیل یہ تھا ہر کی گئی ہے کہ صحابہ کی اکثریت نے اس کو کھاتہ پر بیعت کر لی تھی جو غلیظ کے حسن کردار کی دلیل ہے۔ درحالیکہ یہ مقدمات بھی جہالت پر مبنی ہیں جن میں سے اکثر قریب سی ہیں۔ کیونکہ صحابہ کی اکثریت کی بیعت کو یزید کے خلیفہ برحق ہونے پر معمول کرنے کا شائبہ ایک قیاسی نظریہ ہے اور عقیدہ کے مقابلہ میں نظریہ یا خیالی منصوبہ اول تو وقعت ہی کیا رکھتا ہے کہ عقیدہ کے بعد اس کی طرف التفات بھی کیا جائے جبکہ تاریخی نظریہ تاریخ بھی نہیں تاریخ کا معنی ایک قیاسی نتیجہ ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ کسی مورخ یا تاریخ کے مطالعہ کنندہ کے قیاس و استنباط کو جب تاریخ نہیں کہا جاسکتا تو عقیدہ کی حیثیت تو کیا دی جاسکتی۔

وہ نہ تاریخی نہ سوسائٹی نکال سکتے ہیں۔ پھر جہاں تک ارباب تحقیق مؤرخین کی تحقیق و روایت کا متعلق ہے۔ انہوں نے اکثریت صحابہ کی بیعت اور بیعت کے بعد یزید کے خلاف غرض نہ کرنے کو قطعاً یزید کے مستحق عقوبت ہونے کی دلیل نہیں سمجھا۔ اور نہ ہی اس سے یزید کے فتنہ و فحش کو جلا دیا غیر واقعی باور کرانے کی کوشش کی بلکہ ان کے نزدیک صحابہ کرام کی اکثریت کی یہ بیعت اور یزید کے خلاف نہ امتناع و فتنہ

ما بینی نزاع و جدال اور آپس کے غم و غصے سے بچنے کے لئے تھا جو اس صورت میں یقینی تھا کہ یزید کی اہلیت امارۃ یا اس کی صلاح و صلاحیت سے تسلیم کر لینے کی بنیاد پر تھا۔ ابن خلکان لکھتے ہیں:-

وما حدث فی یزید من أحداث	اور وہ یزید پر یہ کہ ہاتھ پیدا ہو گئی جو
من القتل اختلف الصحابة	پیدا ہوئی تھی میں قتل و قتل تو صحابہ اس کے
حیثون فی شانہ فتمہم من	بدرہ میں مختلف لئے ہو گئے۔ بعضوں نے
رأى الخوارج عليه و قتل بقیة	اس کے قتل کرنے سے سوچتے اور اس کی
من اجل ذلک کہا قتل حسین	بعیت توڑ دینے کو ضروری تھا، اس قتل
و عبد الله ابن الزبیر و من	کی وجہ سے جیسا کہ حضرت حسین اور جبرائیل
تبعہ سالی ذلک و منہم من	ابن الزبیر اور ان کے پیروؤں نے کیا۔ اور
اباہ لما جیہ من اشارة الفتنہ	بعض نے فتنہ اور کثرت قتل کے خطر سے اور
و کثرة القتل مع العجز عن	اگل و گل تمام سے بجز عجز کرنے کا وہ
الوفاء بہ رز شوکت یزید	سے اس سے قتل کیا کیونکہ اس دور میں
یزید شی عصایۃ بنی امیہ	یزید کی شوکت و قوت بنی امیہ کی عصیت
و جہہ و حل الحل و العقدہ	نہیں ہو سکتا تھا۔ بلکہ مقد قریب تھے۔ اور
من قریش و متبعہ عصبیۃ	اس کی ساتھ مصر کی سلاطین کی ساری عصیت
مفر اجہ و ہی اعظم من	اور جماعتی قوت بھی تھی۔ اور وہ
کئی شوکت و ریاضی مقاومہم	سب قوتوں سے بڑی قوت تھی۔ جس کی
فاقصرا من یزید بسبب ذلک	مجبور ہو کر انہیں دیکھا تھا اس

وَقَامُوا عَلَى الدِّمَاءِ صِهْرًا يَثُورُ
وَأَن رَّاحَةً مِّنْ وَهْنٍ كَانَتْ لِي
جَمْعُهُمْ الْمُسْلِمِينَ وَالْحَقُّ
مَجْتَمِعًا وَلَا يَنْكُرُ عَلَى أَحَدٍ
مِّنَ الْقَرِيبِينَ مَقَاصِدُ هُوَ
فِي الدُّرُودِ تَعْرِيفُ الْحَقِّ مَعْرُوفَةٌ
وَعَمَّا أَثَلَهُ ظَلَمَاتُ دِيَهَرٍ

۱۔ ترجمہ: (۱) طبری ص ۱۷۷

روایت: انہی کے ساتھ ہر مقاصد ان کے نیک ہے اور حق کی جستجوئی
کی سبب حق اللہ تعالیٰ ان کی آفتاب میں بھی نصیب فرماتا۔

اس سے بھی زیادہ صاف ذیل کی عبارت ہے جس سے کھلے لفظوں میں
واضح ہے کہ اس دور کے تمام لوگوں کے نزدیک یزید کا فسق مسلم تھا جس کے
مقابلہ کے لئے حضرت حسین رضی اللہ عنہ اپنی قلبی عزیمت کی بنا پر کھڑے
ہو گئے۔ ابن خلدون لکھتا ہے:-

وَأَمَّا الْحُسَيْنُ فَأَمَّا نَظَرُ فُسُوقٍ
يُزِيدُ سَقَمَ الْكَافَةِ مِنْ أَهْلِ
عَصْرِهِ بَعَثَتْ سَيِّئَاتُ أَهْلِ
الْبَيْتِ بِالْكَوْنِ الْحُسَيْنِ
فَأَتَاهُمْ قِيْقَوْمًا بِأَمْرٍ خِلَافِي

لیکن حسین تو جب یزید کا فسق و فساد
دور کے سب لوگوں کے نزدیک بڑا بوجھ
نہ تو قرآن ہی بہت کی حاجت۔ ہنرستان
کے پاس پیغام پہنچا کہ وہ اہل کوڑے کا فسق و فساد
کے آویز تو وہ سب لڑکھنڈ تھے کہ

الحسن ان الخرج علی یزید
متعین من اجل مسقة لاسیما
من لم یقدر علی ذلک و
ظنھا من نفسه بالہدیۃ و شوکتہ
فاما (الاہلیۃ نکات کما ظن و
نریاد قادیانا الشوکتہ فخلط
یرحمہ اللہ فیھا ذن عصیۃ
مضوکات فی قریش وعصیۃ
ترویج فی عبد مناف وعصیۃ
عبد مناف انما کانت فی مبنی
اہلۃ لغریف ذلک ہر قریش
وساواہ اس ولا ینکروہا
(مترجمہ مختصر طبع ۱۳۵۱)

ہو جائیں گے تو اس وقت حضرت حسینؑ
لیا کر یہ پیر کے خلاف کھڑے ہو جائیں
ہے اس کے حق کی وجہ سے دلوں کا بڑا ترقہ
فرما کر ہر پستہ کے سبب سے باطن اسی
شجر کے لئے جھک کر رہے گئے کہ قدرت ربانی
ہو رہے اور اہلیت میں موجود ہر اور حضرت
حسینؑ کو اپنے اندر اس قوت و قدرت کا علم تھا
پیدا ہو گیا مع اپنی اہلیت و صلاحیت کے راہ
ظہور کہتے ہیں، جہاں تک اہلیت کا تعلق
ہے تو وہاں شہر میں ہیں تھی۔ جیسا کہ انہوں نے
کہا کہ یہ کہ اس سے بھی زیادہ تھی۔ یہی کہ
یہ شوکت اور پیر کے مقابلہ کی قوت
کا تعلق ہے تو اپنے خدا اس کے سمجھنے لیا

ظن کھا کی کیونکہ اس وقت سفر کی ساری جماعت قوت قریش میں تھی اور قریش
کی جماعتی طاقت عبد مناف میں اور عبد مناف کی مدد نبیؐ کی طاقت ہی امیر جماعت
دیکھتا ہے اور خاندانی طاقتیں کل کی کل پیر کو حاصل تھیں، جیسے قریش اور سب
لوگ بدل پہنچتے تھے وہ کسی کو اس سے نکال دیتا تھا۔

جبارت والا سے صاف واضح ہے کہ یزید کے فسق کے بارہ میں معاہدہ
کی دورائیں نہ تھیں بلکہ اس کے خلاف کھڑے ہونے میں دو رائیں تھیں۔

اور وہ بھی اس کی اہلیت و نااہلیت کے معیار سے نہیں جبکہ فتنی مسئلہ گل تھا بلکہ وہی اثارۃ فتنہ کے خطرہ سے جس کی بنیادی وجہ بنی اُمیہ کی عصبيت و قوت اور اس وقت کی چھائی ہوئی شوکت تھی جس سے ہندو برا ہونا منظور تھا۔ اور در صورت خروج علاؤ دین سے یہیں کے مسلمانوں کا خون مانگاں بھی جانا۔ پیر کی محبوبیت و اہلیت کا یہاں کوئی سوال نہ تھا۔ بس صحابہ کی اکثریت کی اس بیعت کو غلطی کے کردار کی غور پر محمول کیا جاتا تاریخ کی نگاہ سے یہ کہ تاریخ نگار کیسے سمجھیں۔

اسی سے بھی واضح ہو جاتا ہے کہ پیر کا فتنہ کھینچنے کے بعد صحابہ نے نقض بیعت کا مسئلہ بطور اصول شرعی کے شرعی حیثیت سے سامنے لیا۔ جس پر اجتہادی شان سے حور کیا گیا کہ آیا یہ بیعت باقی رکھی جائے یا نہیں؟ اسے فتنہ پر محمول کرنا اور پھر اُسے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے سر تن پر تیا کرنا تاریخ نہیں خود ساختگی ہے اور وہ بھی تاریخ نویس کے نام پر جبکہ معتبر مورخین خود ہی اسے یہ بھی کہہ رہے ہیں۔ جبکہ کہ عبادت بلانا سے واضح ہے۔

اس پر جبکہ صحابہ کی اکثریت نے پیر کی نااہلیت کے باوجود راجی خوریزی کے خوف اور فتنہ نزاع و جدال کے خطرہ کی وجہ سے اس کا ساتھ نہ چھوڑا تو اسی سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ علاؤ الدین کا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی ساتھ نہ ہونا حضرت حضرت کے اقدام کو بغاوت سمجھنے یا معاذ اللہ ان میں صلہ بیعت و سلامت نہ پائے جانے کی بناء پر نہ تھا۔ بلکہ باوجود ان

کے کمالِ اہمیت کے اعتراف کے، ہی ثارۃ قدسہ و کثرۃ قتل کے تصور کی بنا پر تھا۔ اس لئے مدِ حضرت حسین رضی اللہ عنہ اکثریت کا غلبہ کر کے کسی گناہ کے مرتکب تھے اور ذمہ دار کی اکثریت ان کا غلبہ کر کے کسی گناہ کی مرتکب ہوئی جب کہ دونوں طرف امتیاز کا کام کر رہا تھا۔ یزید بن مہزیار جیسا، عظیم مورخ اس حقیقت کو پائے میں کامیاب ہو گیا۔ اور اس سے واضح غلطوئیں اپنی موثر تاریخ کے مقدمہ میں بیان دیا کہ:

واید ہم ہاں مدح ان نقوب	کہیں قم، س قلی میں مت پڑنا کر تہ
بتائید ہوزد مدح نعلین	یوں کو جو حضرت حسین کی ریشہ کے عزت
و قعود ہمدون نہرو فافہر	تھے اور ان کی مدح کے لئے (مدح) کوشش
اکثر العجائب و کاف مع یزید	نہیں ہوئے تمہارا کہنے لگو اس لئے کہ لگو
ولہریر و الفرو و حبشہ و کان	صحابہ کی اکثریت ہے جو یزید کی ساتھ تھے
احسن یستشہد بہر دھو	اور میں ہر طرح عار میں جگھٹے تھے۔ اور
یقائل فی کربلا علی نعلین و	خود حضرت حسین پر تھی اور اپنی نصیحت کے
حقہ و یقول سو جا ہر مت	مرد میں نہیں کو میدان کہ ہمارے مثال کرتے
ہمدانک و اباسید ابی خدری	ہم سے۔ بلکہ گو مے پیش قدمی سے غبر آ
و لس بن مادک و سہلی بن سعید	جسبہ و انہیں گناہ نہیں سمجھتے تھے۔ بلکہ
و ترید بن ارقم و امثالہم و	مشرق و مدلل ہائے تھے جیسا کہ گویا ہی
اسر یگر علی قعود ہمدون نہرو	پیش کرنے سے خدا ہے تو نہیں انکو گناہ
و لا نقوس مدح لعلہم	کہا کہ ہر سب سے، اور کہ رہے تھے کہ

من اجتہاد متہم کہان فلولہ - دیوہ حق اور فضیلت اور اہمیت کے بارے
 میں، پچھو جابر بن جبرائیل سے اور ابو
 مقدم بن خلاد سے اور انس بن مالک سے اور

سہل بن سید سے اور زید بن ارقم سے اور ان کے بعد وہ سب حضرات کے زیرِ حشر
 حسینؑ نے ان کے پیچھے رہنے پر اور ان کو اپنا دھار دیکھ کر ان پر عمت
 کا اور شان سے کوئی تعرض کیا کہ وہ جانتے تھے کہ ان حضرات کا یہ دعویٰ
 اجتہاد ہی ہے کسی دوسری غلطی سے نہیں، مگر انہوں نے خود ان کا چارہ نہ دیا
 جہاد سے تھا۔

مقدم سے کہ صحابہ کی اکثریت اور امام حسینؑ رضی اللہ عنہ اپنے اپنے
 اجتہاد پر تھے کوئی دوسری طرفی بنا کار دیتی اس لئے کسی نے کسی کو ایک
 دوسرے کے خلاف راہ عمل اختیار کرنے پر نہ گتھا کہ سبحانہ تعالیٰ علوت۔
 انہوں نے صورت صحابہ کے محض اس بیعت پر قائم رہنے کو جب کہ وہ اسے
 فاسق باق رہے ہیں کہ درِ حلیفہ کی خوبی کی دلیل سمجھا غرض قسمی اور تاریخی
 صلحتوں کی نگذیب ہے، یہ خیال مخالفین پر یہ تو اسے فاسق جانتے ہی
 تھے مباحین پر یہ بھی اسے فاسق ہی سمجھتے تھے۔ اس لئے اس کا فسق متعلق
 علیہ تھا جیسے ابن خلاد نے عند الکافۃ کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔

ساتھ ہی یہ جو کہا جاتا ہے اور عباسی صاحب نے بہت زور سے
 کہا ہے کہ حضرت حسینؑ بوقتِ مدینہ اپنے استحقاق کو ثابت نہ کر سکے اسی
 عبادت ہاؤس کے یہ بھی ایک دھار دہا بات نکلتی ہے، کیونکہ حضرت حسینؑ

اپنی نصیحت اور حق کو ثابت کرنے کے لئے معرکہ کر بلا میں مذکور عبارت
بالا جلیل القدر صحابہ کے نام بطور شاہد کے پیش کر رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ
اس واقعہ میں دلائل کا طرز مستقیم نہیں تھا بلکہ، استشہاد کا سب سے زیادہ
موثر کامیاب اور مفقود طریقہ یہی تھا کہ کسی دعویٰ کے لئے صحابہ کو شہادت
میں پیش کر دیا جائے یہی طریقہ حدیث کی روایت تک کو قابل قبول
سمجھنے کے لئے رائج تھا جس پر پورے دین کا دارومدار اور اسی طریقہ سے
علم اور دینی کے تمام معاملات و آخری فیصلہ چوبھاتا تھا۔ سو حضرت حسین
رضی اللہ عنہ بھی اپنی نصیحت و حق کے بارے میں اس سے زیادہ بڑی دلیل
بور کیا پیش کر سکتے تھے کہ ان دلائل و متقن حضرات کو بطور شاہد سامنے
لے آئیں، دینی اس غرضی میدان میں جو لوگ حسین کی جان کے سوا کوئی چیز
قبول کرنے کو تیار نہ تھے وہ ان دلائل پر کیا کان دھر سکتے تھے؟

ان موقع پر ہماری صاحبانہ دعویٰ یہاں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے
اس و حوالہ استحقاق اور اثبات حق کے معنی طلب خلافت نے اس جامع
حق کو پہنا تھا دینی اور شخصی حق ثابت کرنے کے تھے اور وہ خلافت و ہدایت
اور اقتدار کے حصول کے لئے مدعی کی حیثیت سے معرکہ کر بلا کے لئے نکل
پڑے مگر اس حق خلافت کو وہ اپنے سے ثابت نہ کر سکے۔

لیکن عباسی صاحب کار یہ دعویٰ بیداری طور پر غلط اور خلاف واقعہ
ہے کیونکہ اس دور کے لوگ خلافت کے بارے میں اس مشہور حدیث سے
بے خبر نہ تھے یہ جابیکہ حضرت حسین رضی اللہ عنہما پہلے خبر ہوئے کہ

لخلافة من بعدی ثلاثون سنة

خلافت میرے بعد تیس سال تک ہے۔
اس حدیث کے مطابق جب کہ خلافت ہی باقی نہ رہی اور اپنی عمر
پوری کر کے دنیا سے رخصت ہو چکی تھی تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ من
کی طلب کیسے فرما سکتے تھے ؟

واضح رہے کہ اس حدیث میں خلافت سے مراد خلافت راشدہ ہے
جس کی عمر تیس سال بتائی گئی ہے۔ کیونکہ خلافت کے بارے میں بعض روایات
یہی بھی وارد ہوئی ہیں جن سے ہمیں اس کے بعد بھی مدۃ وراثت تک خلافت
کا بقا معلوم ہوتا ہے مثلاً آپؐ فرمایا کہ قیامت قائم نہیں ہوگی
جب تک کہ بارہ حلیف نہ ہوں۔ یا ارشاد فرمایا کہ میرے بعد خلفاء کثیر ہوں
گے وغیرہ۔ ہرچہ کہ یہ روایات ہماری عرض کردہ روایت سے متعارض
ہیں۔ اس تہذیب کا اصل بجز اس کے وہ سر نہیں جو ماہر اہل سنت نے
کہا ہے کہ حضورؐ کے بعد تیس سال خلافت خلافت راشدہ ہے جو خلافت
علیؑ منہاج النبوة ہے اور اس کے بعد کی خلافت مطلق خلافت ہے۔ جو
لوگنت کے ہم معنی ہے۔ خواہ وہ عادل بھی ہو کتا ہرچہ کہ خلافت راشدہ
یا خلافت نبوتہ تو ایسی چیز تھی کہ اہل دین و ریاست کے لئے اس کی طلب
اور اس کے مل جانے پر جب و کے ساتھ اس پر استقامت رکھنا عقل اور
شرعی تقاضا ہو سکتا تھا اور اس پر جہاں ویسا ہی ہوتا بیسا کہ ایمان
کی طلب اللہ اس پر استقامت پر ضرورت ضروری ہوتی ہے پس وہ ایک
ایسا دینی مقام ہے کہ اگر پاک قلوب میں اس کی طلب ہو تو وہ بھلا نہیں

ہے اور اگر اس کے حصول کے بعد اس پر استقامت دکھلائی جائے کہ کچھ ہا
گزر جائے اور دنیا اور حوسے اور ہر جو ہائے مکر اس نعمت کو ایمان اور اسلام
کی طرح ہاتھ سے دنیا نہیں تو یہ ہا لیا ہے۔

شاید اسی سے آل حضرت علیؑ علیہ السلام نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ
عنہ سے ارشاد فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ایک قیض پہنائے گا اسے تم خود
ممت آمارتا تو وہ یہی قیض خلافت تھا چہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے
مطلوبیت کے ساتھ ہاں دیری مگر قیض خلافت ہر دن سے نہیں تارا اس
سے اسوۂ ہدایت مستنبط ہوتی ہے کہ خلافت عبودیت ہی ایک ایسا غنیمت خلافت
اور ایمانی مقام سے جو کسی حالت میں چھوڑے جائے کی چیز نہیں بلکہ مطلق
خلافت یا ملکیت اگرچہ عادل ہو۔

یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے بڑے بھائی
حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے ابتداء میں خلافت سنبھالی لی اور چھ ماہ بعد
اسے چھوڑنے کے لئے تیار ہو گئے۔ خود کی جائے تو چھ ماہ ہی پہ وہ تیس
سالہ مدت پوری ہوتی ہے جو خلافت عبودیت کی عمر تائی گئی تھی۔ جس کے
یہ معنی نکلتے ہیں کہ جب تک خلافت میں رشد کا نہ ہو تاہم رہا قبول
کئے رہے جب نہ رہا تو اس سے علیحدہ ہو گئے اور اس سے ناخدا ہوئے
ہے کہ اگر رشد خلافت کا دور ختم نہ ہوتا تو وہ اسے حضرت عثمان غنی رضی
اللہ عنہ کی طرح کبھی ترک نہ فرماتے خود امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے کتنا بگ
سلمت مقابلہ نہیں ہاتا، کیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی باوجود رحمت

سے سخت مقابلوں کے مصعب خلافت سے دست کش اختیار نہیں کی۔
لیکن اوپر تو رشد خلافت درجہ اول اُدھر مطلق خلافت کے لئے جان
کی بازی لگا کر جنگ کی بجائے تو بجز اس کے کہ اپنا نفع نہ ہوگا اور باطل
کا خون ضائع ہوگا تو آپ نے ترک خلافت کے مسلمانوں کی دو عظیم جماعتوں
کو آپ کی غور زری سے بھال لیا۔ اور ان میں صلح و وحدت پیدا فرما کر اپنی
سیاحت کا ثبوت پیش فرمایا۔

شاہ حضرت شاہ عبدالعزیز قدس سرہ نے اسی حقیقت کی طرف اشارہ
فرمایا ہے کہ حضرت حسن نے اسی حدیث کو سن کر کہ خلافت راشدہ کی عمر تیس
سال ہے اس کی عمر پوری ہونے پر خلافت ترک کر دی (فتاویٰ عزیزی ص ۲۱)
گویا خلافت پر اس وقت تک تو جیسے ہے چھ تک کہ اس کے رشد
کا دور قائم رہا اور اس کے ختم ہوتے ہی ظلم و ہونے کے لئے تیار ہو گئے
جس کا ثمر یہ نکلا ہے کہ انہیں رشد خلافت مطلوب تھا جو اہل اللہ کے
خواہش کرنے کی چیز ہے اور اس پر جماد اور استقامت ان کے دل
کا مقتضی ہوتا ہے مطلق خلافت یا حکمرانی انہیں مطلوب نہ تھی۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ بھی بہر حال ان امور سے واقف تھے خلافت
نبوت کی تاریخ ان کے سامنے تھی اور وہ جانتے تھے کہ خلافت نبوت کا دور دنیا
سے ختم ہو چکا ہے جس کی طلب اور جس پر جماد اصل دین پر جماد تھا اب
مطلق خلافت رہ گئی ہے جو بڑا بڑا مطلوب نہیں تو اسے طلب کرنے کے
مذہبی جو حکمرانی کی طلب کے دوسرے نہ ہوں گے اور اہل اللہ کے لئے

مطلق حکمرانی میں کوئی ذاتی دلچسپی نہیں ہو سکتی اس لئے نہ انہوں نے اس کی طلب فرمائی اور نہ وہ ایک ختم شدہ مسئلے کی طلب فرما سکتے تھے، جو نبوت کی طرح ان کے گمراہی سے نہیں بنایا۔ یہ رخصت ہو چکی تھی۔ اس لئے ان کے گرد ان اقدام کو طلب خلافت پر محمول کرنا خلافت کی حقیقت اور اس کی تاریخ سے ناواقفانہ یا بے ذوقی کی دلیل ہے۔ ان حالات کے ہوتے ہوئے ان کی طرف یہ نسبت کرنا کہ وہ خلافت کے جماعتی حق کو اپنا ذاتی یا شخصی حق سمجھتے تھے اور اسے ثابت نہ کر سکے۔ دین اور اہل دین کے ساتھ تعلق ہے حق اور استحقاق کا سوال تو حبیب پیدا ہو کہ دعویٰ حق کے نزدیک وہ شے موجود بھی ہو۔ جس پر حق کا دعویٰ کیا جا رہا ہے جب اگلے نزدیک وہی باقی نہیں رہی تو حق و استحقاق جتانے کا آخر عمل کیا تھا، کہ اس کی نسبت ان کی طرف کی جائے۔ اس لئے یہ محض ایک غلط گوئی اور ان کی شان میں بے ادبی اور گستاخی کے علاوہ بھی ہے۔

ایسے ہی عباسی صاحب کا حضرت مہدیؑ کے اس اقدام کو طلب اقتدار اور غیر مستقول حب جاہ کی طلب کا عنوانی جتنا بھی وہی اختراع نفس ہے۔ جو تاریخ کے نام پر کیا گیا ہے۔ کیونکہ کتابت سنت سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ حب جاہ اور ہوس اقتدار کے ذاتی رجس باطنی میں سے ہیں جس سے ان کی سجاویت اور اہل بیت صحابہ میں شکوکیت مانتے ہیں جیسا کہ واضح ہو چکا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت مہدیؑ کا یہ دیرینہ پیرایہ کے مقابلہ پر کھڑا ہونا نہ طلب خلافت کے لئے تھا نہ حصول جاہ و اقتدار

کے لئے بلکہ مظلوموں کو ان لوگوں کے بیٹوں سے رہائی دلانے کے لئے تھا۔
 فتویٰ عزیزی میں حضرت شاہ عبدالعزیز قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں کہ
 خروج امام علیہ السلام بنابر
 ۱۔ حسین رضی اللہ عنہ لایہ یکے خوف کنز
 ۲۔ دعائے موت رضی اللہ عنہ کی بنا پر واقعہ جو
 تیس سال گزرنے پر ختم ہو چکی تھی حکم رکھایا
 کو ایک نظام یزید کے ہاتھ سے چھڑا دیا
 کہ تار پھری جس کے مقابلہ میں مظلومی
 نظام من لوازمات
 ۱۔ حاکم ۲۔ عامل ۳۔ مظلوم علی
 دست و حیات دریا میں سے ہے
 (فتویٰ عزیزی ص ۶۸)

اب اگر یہ مقصد یزید کے معزوں کرنے سے ہی حاصل ہوتا۔ تب بھی
 حضرت امام پر کوئی گرفت نہ تھی کہ یزید امیر فاسق ہونے کی وجہ سے مستحق
 عزل تھا۔ چنانچہ علامہ سعد الدین قناری نے اسی کو مذہب سنا دیا۔ اور
 ائمہ مذہب لا اس پر اتفاق نقل کیا ہے۔

وکید انہ العوام بطریق
 اذکرون علیٰ انہ لا یستغزل
 ۱۔ ہوا بختار من مذهب
 ۲۔ الشافعی مرضی اللہ عنہ
 ۳۔ حلیفہ ۴۔ عن محمد رضی اللہ
 ۵۔ عنہ وایمان ویستحق العزل
 اور یہی ہی فقی کی وجہ سے ۱۔ امیر کے
 ۲۔ عزل یعنی خود بخود معزوں ہو جانے میں
 ۳۔ اختلاف ہے اکثر اس پر بھی کہ فقی نے عز
 ۴۔ خود معزل نہیں ہوتا اور یہی مذہب ہے
 ۵۔ مذہب امام شافعی و یوسفی کا اور
 ۶۔ امام سے کیا دوا کرتی ہیں علی عرض لیرا

بارگشتی و فوج مناصد میں۔ فسق سے مستحق عزل یہاں مستحق غیہ ہے۔

ظاہر ہے کہ جب فسق سے میر کا اعزاز تک زیر بحث گیا تو مقتضای عزل میں تو کوئی کلام ہی نہیں ہو سکتا جیسا کہ نگہ ذہاب کے اس پر مشفق ہونے سے ظاہر ہے۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ میر کا یہ فسق جو اسے مستحق عزل بنا دیا ہے محض ذاتیاتی نہ ہو بلکہ اجتماعی رنگ کا ہو جس کا اثر متعدی ہو کر محال اور بی یات تک میں سریت کرنے کے ملک سے تقویٰ و خدایت کی جی مانی بنیادیں اکھڑ جانے کی رو پڑ جائے۔ جس سے خلافت و امامت کا موصوع ہی تباہ ہو جائے اور خالی سیاسی اقتدار اور س کی پچ آگے آجائے، تو یہی وہ فسق عمومی ہے جس سے امیر مستحق عزل ہو جاتا ہے۔ اور عیا کو حق ہوتا ہے کہ ایسے امیر کو معزول کر لے۔ خواہ تدریج سے خواہ لڑ بھڑ کر بشرطیکہ اس مستحق عزل میر کو معزول کرنے والے اپنے اندر اتنی اجتماعی قوت و شرکت محسوس کرتے ہوں کہ وہ امیر کو تخت سے ہٹا کر امت کو نجات دے سکیں اور آپس کی خونریزی میں مبتلا نہ ہونے دیں گے۔ ورنہ صورت یہ نہ جیتی کہ اس خیال غالب پر تو پھر امیر کا یہ فسق و جور بن جوں ابلیسیٰ ہی سمجھ کر برداشت کیا جائے تاکہ فتنہ فسق سے بڑا فتنہ انتشار امت کا سر نہ پڑ جائے۔ پھر بھی اگر کوئی صاحب عزیمت اپنے اندر قوت و حکمت و اپنے وسیع اثرات کے تحت اپنے حق میں جماعتی قوت کا احساس کرے اور کھڑا ہو جائے تو وہ اس اجتہاد کی مدد تک اس عزیمت پر قابل امت بھی نہ ہو گا۔ بلکہ اس کا حقدار سمجھا جائے گا۔ اب اگر یہ بد عمومی فسق کے

ساتھ فاسق تھا اور بلا شہ نہ تھا۔ جیسا کہ اداویٹ کے اشارت صحابہ اور علماء
 ذہینہ نے لکھی فقہاء متکلمین اور مؤرخین کی تصدیقات سے ثابت ہو چکا ہے
 تو بلا شہ وہ عرض کردہ فقہی اصول کی روشنی میں مستحق عزل بھی ہو چکا تھا
 اور اگر اس کا متفق علیہ تھا تو دوسرے فظوں میں اس کا استحقاق عزل بھی
 متفق علیہ تھا گو اس پر خرمن کرنے میں شہادۃ فقہ کے معیار سے رائیں دو
 ہو گئیں تھیں۔ پھر صرف یہ کہ انہوں نے دین کو کھلم کے اصول پر
 کے مفسوس حال ملک بھی اس کے فسق کا مظہر اتم بنے ہوئے تھے جو کسی بڑے
 چھوٹے کے رتبہ اور فرق مرتبہ کی رعایت کے بغیر غرور و استبداد کے
 مظاہرین پر اتر آئے تھے۔ چنانچہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ جو اس دور
 میں بھی سادات مسلمین میں سے تھے اور پوری امت صحابہ سے ملے کہ
 تابعین تک ان کا ادب و احترام ضروری سمجھتی تھی۔ لیکن باعتراف عباسی
 صاحب یزیدی حکام کا برتاؤ ان کے ساتھ یہ تھا کہ ان کے مدینہ چھوڑ کر
 مکہ چلے آنے کا سبب ہی حضرت ابن عباس نے حال یزیدی کی زیادتی اور
 بدتہذیبی فطہر کی ہے نہ کلمہ کہ انہوں نے یزید کے پاس بھیجا۔ عباسی
 صاحب ابن عباس سے ناکل ہیں۔

”حسین کے مدینہ چھوڑ کر مکہ چلے آنے کا سبب یہ ہو کہ
 میں جو حال تیار ہے ہیں۔ انہوں نے ناشائستہ کلمات لکھے
 بار میں لکھے۔ دیکھو اعلیٰ بالکلام اللہ حسن و دل الیہ
 اللہ مستجیر ابہ“ (نصوص مبارکہ ص ۱۷۷)

یعنی تبار سے حال نے اُن کے مقابلہ میں فوج کوئی کا اہم کیا اس لئے وہ پناہ لینے کے لئے کتر چلے آئے۔ ظاہر ہے کہ اناس علی دین ملو کہم کے اصول پر حال کے دلوں کا رخ حقیقتاً چریدہ ہی کے رخ کا آئینہ تھا یہی صورت دوسرے اکابر کے ساتھ بھی تھی بن زیاد نے حضرت زید بن رقم رضی اللہ عنہ کو سید الفاضل بڑھا کہہ کر خطاب کیا تھا۔ حضرت حسین کے سر کو چھری سے ٹھونکنے والے یہی زید اور یزیدی تھے۔ مکہ اور مدینہ میں صحابہ اور اولاد صحابہ کے قاتل اور ان کے ناموں اور آبروؤں پر حملہ کرنے والے بھی تھے چنانچہ اس پارٹی کے بارہ میں پیشگوئی بھی احادیث میں فرمادی گئی تھی کہ ان کی طاعت میں دین ضائع ہوگا۔ اور دین اسلامت میں باطل بادل اور آبرو تباہ ہوگی۔ جیسا کہ یہ روایتیں آئیں گی

آئیں گی

خدیجہ صوریہ، جبکہ ایک غیر مادل یا فاسق امیر مستط تھا جس کا خلق و خور انفرادیت کی حد سے گزرا کہ جماعتی رنگ اختیار کر چکا تھا حتیٰ کہ امیر فاسق سے خوشتر جو پیشے اور سعید الفاضل بر سر اقتدار اگر شیوخ و کبار کی حق تلفی اور توہین و تحقیر پر اترے ہوئے تھے اور اس طرح یہ امیر فاسق مستحق عزل ہو چکا تھا تو جو بھی اس انقلاب طرہت کے ساتھ یہ سمجھ کر اٹھ کھڑا ہوتا کہ وہ اس فتنے کے بڑھے سمجھے اثرات اور اپنی اہمیت قوت اور وسیع اثرات سے مٹا سکتا ہے تو وہ ہی قدر تھا اس کا مستحق اور حقدار بن جاتا ان حالات میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اپنی قلبی شہادت اور

اجنباء کے غیبی اشارے سے اس فتنہ کے مقابلہ میں اپنی فضیلت و اہمیت کا علان فرمایا۔ اور ایک مستحق عزل و میر کے مقابلہ میں دفع فساد کے لئے کھڑے ہو گئے جس میں وہ فیما بینہ و بین اللہ حق بجانب تھے۔ اور عدلو شرعیہ کے دائرے سے ایک انج او عر او عترت تھے، بالخصوص جبکہ اس سلسلہ میں انہوں نے اپنی فضیلت و اہمیت کے دعوے سے ثبوت کے لئے اس کے طور پر چند جلیل القدر صحابہ کے اسماء گرامی بھی شہادت میں پیش فرما دیئے تو اس پر یہ کہنا کہ ان کا یہ اقدام ایا نہ تھا یا طلب خلافت کی تہمت سے یہ اقدام ہے اثر تھا یا اس شرعی اقدام کے لئے وہ اپنے استغناء کو ثابت نہ کر سکے اور انہوں نے ثبوت پیش کرنے میں کسی ناکامی کا منہ دیکھا محض انسانہ نگاری ہے جس کے نیچے کوئی حقیقت نہیں۔ پھر حضرت مدوح اتنا ہی حق و یکر کھڑے ہوئے تھے جتنا حق ایسے حالات میں ہر مسلمان صاحبہ حریت کو پہنچتا ہے تو یہ کہنا کہ وہ اس جماعتی حق کو اپنا خاندانی یا ذاتی حق سمجھتے تھے نہایت ہی نامعقول قسم کی تہمت تشریحی اور اذرا واضح منکوں ہیں حسین و شہی کی نہایت ہی مکروہ مثال ہے۔ جس کی کسی مدعی تحقیق اور سب لاگ تبصرہ کشفائے توحید نہیں کی جاسکتی۔

امیر پر خروج کا جواز

وہی حدیث عبادہ بن امیہ رضی اللہ عنہ ہے عباسی صاحب نے امیر پر خروج کرنے کی ممانعت کے سلسلہ میں پیش کیا ہے اور یہ کہ یہ

خروج ہجرا میر کے کافر ہو جانے کے کسی حالت میں جائز نہیں، سو یہ
اعادہ پیش اور فنی حدیث سے ناواقف پر مبنی ہے۔ اس حدیث سے حضرت
حسین رضی اللہ عنہ کے اقرار پر عدم جواز کا کوئی اثر نہیں پڑتا، کیونکہ اگر
حدیث کے لفظ کفر تو خارج سے یہاں کفر اصطلاحی مراد لیا جائے۔ تو ہم
کے کافر ہو جانے کے بعد اس پر خروج کے جواز کے کوئی معنی ہی نہیں
رہتے کیونکہ اس حالت میں وہ امیر امیر ہی باقی نہیں رہا جبکہ امیر کی
ہدایت کے لئے اسلام شرط اول ہے۔ اگر وہ اسلام سے خارج ہو جائے تو
اسے معزول کرنے کی ضرورت نہیں رہ تو خود بخود ہی معزول ہو جاتا ہے
اس لئے امیر کے منادیت کرنے یا امیر پر خروج کرنے کی صورت جبکہ
وہ امیر ہی نہیں آخر بن کیسے کہتی ہے کہ اس کے جواز و عدم جواز کا سوال
پیدا ہو۔

علامہ نووی شروع مسلم تحریر فرماتے ہیں۔

حال الف من میاض ایامہ الاملاء	کان من میاض فرائتہ ہی کہ عطا کا اس پر احتجاج
من ات الامامة لا یستفاد کا فود	کہ است کافر کا مستفاد ہو ہی نہیں کہی دہاگر
حق امت لا طرأ علیہ الکفر العزل	امت کے جس پر کفر طرأ ہو جائے تو وہ
قال وکذا لو ترک الامامة استوفی	خود بخود معزول ہو جاتا ہے اور نہ ہی جبکہ
والدعاء علیہا۔ قال وکذا لای	وہ اکثر مشرک سمجھتے تھے اور اس کی طرف ہجرت
مستحبہ لہما سہرا لیلۃ	ہی ترک کر دے اور فرما کر دے ہی جہاد ملار
	یہاں ہجرت کا ہی حکم ہے دیکھنا لگا کر شکر

پھر چند جملوں کے بعد تحریر فرمایا ہے۔

قال القاضي فلو طرد عليه الكفر و
تغير الاسترخاء و بدعة كثر جو عن
الولاية و سقطت طاعة و جب
على المسلمين القيام عليه و خف
و نصب امام عادل من امكانهم
ذلك و ان لم يقدروا الا سألوا
و جب ميهمان قيام بخلاف الكافر
ولا يجب في المعتقد الا اذ اهلوا
القدرة عيب فان تحققوا لغير
الموجب القيام و لعلها جوا من
رضه الا غايها و يفتي بدعيته
منتهى ما قال الفتوى .

(مسلم مع خودی ۵۴)

مذکور ہو تو پھر یہ واجب نہیں مگر اس صورت میں یا جسے کہ اس میں سے مسودہ جرت
کہ باری در رہنے وین و دیگر میں سے بجا لیں۔

اب اگر شرعی اصول اور مسائل فقہیہ پر نظر ڈالی جائے تو واضح ہو گا
کہ امیر پر خروج کے حجاز کی صورت کفر سے پہلے ہی پہلے ہو سکتی ہے کہ
وہ امیر باقی رہے مگر مستحق عزلی ہو جائے تاکہ کفر کے بعد کہ نہ امیر رہے

و اس کے عزل کا، ستحاق کا سوال و درمیان میں آئے۔ اور یہ صحت کفر کی نہیں فسق کی ہو سکتی ہے۔ بسا کہ مذاہب فقہیہ اس بارہ میں نقل کئے جا چکے ہیں۔ اس لئے حدیث کی مراد بحالت کفر امام پر خرمنج کہنے کا جواز بتلانا ہر ایک نہیں سکتی۔ حدیث نے درحقیقت فسق کے دو درجوں پر روشنی ڈالتے ہوئے ان دونوں کا حکم بتلایا ہے جس کی توضیح یہ ہے کہ جہاں تک فسق کے مرتبہ سوئے سمیع و طاعت کا حکم ہے اس سے ذاتی اور نفرونی فسق مراد ہے جس کا اثر متعدی ہو کر حکام و رعایا تک پہنچے۔ جسے بدست سے امر و نہی کا حکم حیاضی اور بدکاری ہی میں جملہ رہتے ہیں مگر رعایا کے حقوق کی رانگی اور معاملات میں بدل و انصاف میں بھی کوتاہی اور قصور نہیں کرتے تو بعض ان کے ذاتی فسق و فجور پر ان کے لوہے خروج ہائز نہیں جبکہ امت و خلایق کا مقصد و مومنوں کی تکمیل پر ہے۔ یہی حاصل ہے روایت کے اس حصہ کا جس میں باوجود فجور کے سمیع و طاعت کا حکم دیا گیا ہے اور امیر کے اور میں تنازعہ کی ممانعت کی گئی کیونکہ یہ امیر کی ذات کا خصال ہے۔ اس کی امیری یا امر کا نہیں اس لئے امیر کا سمیع و طاعت بحال قائم رہے گی۔ لیکن جبہ امیر کا فسق ذات سے گزیرے معاملات حقوق رعایا اور اکابر امت پر اثر انداز ہونے لگے اور جو عظیم بیضہ کہ سلطان ستم و ادا و زندقہ لشکر باغ و شمشیر ہزار مرغان پر کھینکا کا معاملہ ظہور میں آئے لگے۔ تو اس صورت میں وہ ہمیشہ امیر کے وہ فاسد ہو گیا۔ اور امیر ہی بھی عقل جو گئی اس کے معنی کہ بادشاہ ایک خود برقی بھیجے تو اس کے ساتھ ہزار مرغان و پھول و گیہاں کے۔

لئے وہ عزول کا مستحق ہو جاتا ہے اور اس کے عزول کا اقدام ایک شرعی مسئلہ بن جاتا ہے۔ معصیت کی کسی نوعیت کو جس میں حق اور اہل حق کا مظاہرہ شامل نہ ہو کفر بواح سے تعبیر کیا گیا ہے۔ جو کفر متعدی نہیں، بلکہ کفر عمل ہے جس کا نام معصیت ہے۔

حدیث کی یہ مراد خود حدیث ہی سے متعین ہوتی ہے چنانچہ اسی جہاد بن حاتم کی حدیث میں متبان بن النضر کی روایت سے شرح کہتے ہوئے لَوْ اَنْ تَرَدَّ اَكْفَرًا بَوَاحًا كَيْفَ اِلَّا اَنْ تَوَدَّ مَعْصِيَةَ بَوَاحًا فَقَدْ كَفَرَ بِمَا هُوَ جَس سے واضح ہو جاتا ہے کہ یہاں کفر بواح سے شائع علیہ السلام کی مراد معصیت اور کھلا ہوا منکر ہے، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں۔

وقد قوتی روایت حدیث ابی الفخرو
 حدیثی تعریف میں باریت حدیث ابی الفخرو
 امد کوثر ازان یکون معصیۃ
 یہ جملہ آیا ہے۔ ازان یکون معصیۃ شہد بولا
 ملکہ بواح۔
 یعنی اس صورت نام سے صادر نہ جائے کہ وہ
 علمی ہوئی نہ میت میں گزار ہو جسنے۔
 (فتح الباری ص ۱۰۳)

اس سے صاف واضح ہے کہ کفر بواح سے معصیت بواح مراد ہے و کہ کفر اصطلاحی۔ حدیث کی اسی تفسیر مراد کو مصلحت و فلسفہ سے قبول کیا اور اس کی روایت کی امام نووی نے اس حدیث کی نسبت کرتے ہوئے لکھا ہے۔
 والمراد بالکفر ههنا المعاصی
 ومعنی منہ کہ من الله فیہ
 برہان ای تعلیم من دین
 اور یہاں کفر سے مراد معاصی ہیں حدیثی
 حدیث من اللہ جو یہی کہ ہے کہ تم نام
 کی معصیت کو تو خود اور شریعت سے متبان ہو

اللہ تعالیٰ انہی پر رحم فرمائے۔
 کہ وہ دینی ظنون روزی ہے۔

اور بھی متعدد مواقع پر شرعی استمالات میں معاہدہ پر کفر کا اطلاق کیا گیا ہے جیسے حدیث میں محدثانہ کفر کو ترک کفر کیا گیا یا کفر کا بنی و ساحم کے پانچ ہلکے آنے والے کو پوری شریعت کا مستحکم اور اس کیساتھ کفر کہہ دیا گیا۔ وغیرہ۔ اسی طرح اس حدیث زیر نظر میں بھی مصیبت بواج کو جس میں آدمی کافروں کی طرح بڑے حقوق شرعیہ کو متاثر کرنے لگے کفر بواج فرما دیا گیا کہ وہ علی بلاشبہ کفر ہی کا ہے یا کفر سے قریب تر کر دینے والا ہے۔

اس حدیث کی یہی ملزوم نگار متاخرین میں سے محدثانہ حضرت مولانا محمد قاسم قدس سرہ بانی دارالعلوم دیوبند نے اور زید الدبیشی عنوان سے واضح فرمائی ہے اور ثاب ہے۔

وہم انکہ در احادیث کتب صحیحہ	وہم انکہ در احادیث کتب صحیحہ
مثل مسلم از عبادۃ بن صامت	مثل مسلم از عبادۃ بن صامت
مردی است کہ دعا نما رسول اللہ	مردی است کہ دعا نما رسول اللہ
صل اللہ علیہ وسلم قبا یثنا فکان	صل اللہ علیہ وسلم قبا یثنا فکان
قیما نذ علینا ان با یعت علی	قیما نذ علینا ان با یعت علی
السمع والاعی فی منسٹنا و	السمع والاعی فی منسٹنا و
مکہ بنا و عمرنا و میرنا و اثرنا	مکہ بنا و عمرنا و میرنا و اثرنا
علینا ولا تنازعنا امر و ہر حال	علینا ولا تنازعنا امر و ہر حال

وہم انکہ در احادیث کتب صحیحہ
 مثل مسلم از عبادۃ بن صامت
 مردی است کہ دعا نما رسول اللہ
 صل اللہ علیہ وسلم قبا یثنا فکان
 قیما نذ علینا ان با یعت علی
 السمع والاعی فی منسٹنا و
 مکہ بنا و عمرنا و میرنا و اثرنا
 علینا ولا تنازعنا امر و ہر حال

اس کا یہ دلائل مکنا ہے کہ اگر کوئی امیر دین کے شوقی انسان کو ترک کرے
تو اس کی اصلاح سے دست کش ہو جانا چاہیے۔

اس بیان مزید کے بعد جو بیٹے کے دلول کا حاصل یہ ہوا کہ امام فقیہ پر
میں فرق بھی ہو جائے جو فقیہ ذاتیاتی قسم کا ہو تو اس پر خرچ جائز نہیں
لیکن جب وہ جماعتی رنگ کا ہو جائے جس میں کلمہ کلمہ حق کا سلسلہ چلاور
کنار کی طرح امیر اپنے اقتدار کی تہ میں اگر حکمت میں کسب کیلے، تو وہ
مستحق عزل ہو جائے گا اور اس پر خرچ جائز ہو جائے گا۔

ادھر اور بھی متعدد روایات حدیث میں صاف وار ہے کہ اگر امام
طیبر شرعی باتوں کا امر کہے تو اس میں امیر کی اصلاح باقی نہیں رہتی
اور غلطی ہر ہے کہ ایک طاقت و فراہی کے مقابلہ میں عدم اطاعت کا نتیجہ
وہی شدت اور انجام کلامت ہے جو عمر فاروق کا قیصر ہونا ہے یا گما
بات ہے کہ استغاثہ دہونے کی وجہ سے شریعت ایسے لوگوں کو محدود
رکھ کر صاف کرے۔ مگر فی حقیقت اصل حکم بھی ہے کہ مصیبت میں ایسی
اطاعت جائز نہیں اگرچہ وہ عبادت پر منتج ہو۔ علامہ زبیدی شافعی
احیاء العلوم نے وہ روایتیں نقل کرنے کے بعد من کی و سے امور کے ذاتی
فقیہ خود کے ہاں جو اس پر خرچ جائز نہیں۔ وہ روایتیں بھی من کی
ہیں من میں امیر کے حکم مصیبت کی احاطت محدود کر دی گئی ہے اور
وہ وہی مصیبت ہوتا ہے جس کا ذکر حدیث جان بن ابی نعیم میں فرمایا گیا
اور اس کا کہہ دینے کے بعد وہ اس سے تعبیر کیا گیا ہے۔ علامہ زبیدی

فرماتے ہیں۔

وَأَمَّا إِذَا خَالَفَ أَحْكَامَ الشَّرْعِ اور جب الامر، احکام شریعت کی مخالفت
فَلَا رُغْمَ لِمُخْلَقٍ فِي مَعْصِيَةِ کرتا ہے تو پھر مخلوق کی اطاعت مانع کی
الْإِلهِ بِمَا فِي إِلَهَامِهِ وَالسَّنَنِ معصیت میں نہیں ہے جیسا کہ بخاری اور
إِلَّا سَبْعَةُ السَّمَةِ وَالطَّاعَةِ عَنِ سنن ربو میں ہے کہ امیر صبح و عادت
الْمَدَامِ اسْلَاحُ فِي مَا أَحْبَبَ وَكَوفا مرد مسلم پر واجب ہے خوشنمی اور خوشی
مَالِهِ يَوْمَ مَعْصِيَةٍ فَإِنَّ أَمْرَ جیسا کہ جب بھی حکم کرے اسے معصیت خدا
بِمَعْصِيَةٍ فَلَا مَمْرَ وَلَا طَاعَةَ ورنہ کلام نہ کیا جائے، پس جب اسے

۱ اتحاد امامۃ امتین ص ۲۳۲) کسی معصیت شرعی کا کہ جسے کتاب سے یاد نہیں

بہر حال حدیث جوادہ میں جبکہ کفر و جوح کے معنی معصیت بوجہ کے
ہیں تو اس حدیث کی روش سے صورت حسین رضی اللہ عنہ سے خروج بہ کوئی منکر
نہیں ہوتا کیونکہ بڑید کے کارہ جوئے بغیر ہی اس پر خروج جائز تھا
جبکہ کہ وہ اور اس کی بی بیانی پر فی معصیت بوجہ کی شکار ہو چکی تھی جو
علائیہ جماعتی فسق تھا اور یہ حدیث جوادہ معصیت بوجہ پر خروج کو جائز
قرار دے رہا ہے نہ کہ ممنوع لیکن اگر حدیث میں کفر بوجہ سے کفر ہی مراد
ہو اور امیر کے معاصی اور فسق و فجور پر خروج جائز نہ ہو جو عباسی صاحب
کا دعویٰ ہے تو پھر بھی اس حدیث کی روش سے بڑید پر خروج کا حوالہ پیدا ہو
جاتا ہے کیونکہ فسق و معصیت کی وجہ سے خروج کی ممانعت اس وقت
ہے جب کہ امام متفق علیہ ہو لیکن اگر امام کی بیعت ہی مختلف لیے ہو کہ

بیعت کر لی اور بعض ابتدا ہی سے نہ اسے امام نہیں نہ اس کی بیعت کر لی
تو بیعت نہ کرنے والے اس کی اطاعت کے پابند نہیں اور وہ اس کے
جماعتی رنگ کے معامی و یکہ کو اس پر خروج کر سکتے ہیں۔ حضرت امام
شاہ عبدالعزیز قدس سرہ نے اس حدیث کا یہی محل قرار دیا ہے اور ثابت
کر دیا ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا یہ سفر کوثر کا اقدام اور یزید کی
میعت سے گریز قطعاً اس حدیث کے خلاف نہیں۔ نیز حضرت حسین کا
خروج یزید کے مقام کے دفعیہ کے لئے تھا خود اس کے رفع کرنے کے
لئے نہ تھا۔

و آنچه در مشکوٰۃ شریف ثابت است	اور مشکوٰۃ شریف میں ثابت ہے کہ
استند کہ حضرت علی اللہ علیہ وسلم	حضرت علی اللہ علیہ وسلم نے
ز ابی و خروج بر بادشاہ وقت	کے مقابلہ کا کرشمہ کرنے سے منع فرمایا
گرچہ ظالم باشد متع فرمودہ اند	اگرچہ وہ ظالم ہی کیوں۔ سو اس وقت
پس دران وقت است کہ آن	کے لئے ہے کہ وہ ظالم بادشاہ کا کسی کے
بادشاہ علی لم بلا متادع و مزاحم	ٹھکڑے اور رحمت کے مکمل علیہ پیدا کرے
تسلط تمام پیدا کردہ باشد و بنود	ہو کہ یہاں بھی ملک اہل مدینہ اور اہل مکہ
اہل مدینہ و اہل مکہ و اہل کوثر	اور اہل کوثر یزید علیہ کے تسلط و رضی
بہ تسلط یزید علیہ رضی اللہ	نہ تھے اور حضرت امام حسین و عبداللہ بن
جو وند مثل حضرت امام حسین	عباس و عبداللہ بن عمر و عبداللہ بن الزبیر
و عبداللہ بن عباس و عبداللہ	رضی اللہ عنہم جیسے حضرت نے بیعت نہ

ابن عمر و عبد اللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہم بیعت نہ کر وہ بالجلد شروع حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے ہمارے وقع تسلط و آنچہ در حدیث محمودنا است ان شروع است کہ ہمارے وقع تسلط مطلقاً باز باشد و الفرق بین المدفع و رفع قلم مشہور فی المسائل الفقہیہ۔

فتاویٰ عزیزی ص ۱۱۱

کی تھی۔ ماحصل یہ کہ امام حسین رضی اللہ عنہ کا خروج یہ بد کے (ظلمہ) تسلط کو رفع کرنے کے لئے تھا اس کے رفع کرنے کے لئے تھا کہ وہ تسلط مان کر جرحی ہوتا اور رفع ہوتا اور اس کے پہلے جب کثرت ہو تو دفع کی صورت ہوئی جو منسوخ ہے اور وہ خود اس حدیث شریف میں منسوخ ہے وہ وہ ہے جرحی ہونا کہ تسلط رفع کرنے کے لئے اس کو رفع کرنے کے لئے اور دفع اور رفع میں فرق تھا کہ ہے۔ اور مسائل فقہیہ میں مشہور ہے۔

اس عبارت سے واضح ہے کہ امام کی اطاعت کا وجوب بیعت کے بعد ہوتا ہے نہ کہ بیعت سے پہلے پھر بیعت کے بعد بھی سمیع و مطاع کا بقا واجب رہتا ہے کہ امام متفق علیہ عادل جو پس ایک نفس امارت ہے اور ایک غموم امارت۔ غموم سے پہلے جو بھی دائرہ بیعت میں داخل نہ ہو اس پر اس امام کی اطاعت واجب نہیں اور جب کہ وہ امیر مقلدین ہی ہو تو ان غیر مبغضین کے لئے اسی کے خلاف کھڑے ہونے میں بھی کوئی شرعی محذور نہیں کیونکہ رعایا کے حق میں جو فتنہ اور ذہبتیں اسی صورت میں مستحکم تھیں جن کی وجہ سے یہ شرعی جائز نہ تھا۔ وہ ان

غیر مباہلہ کے حق میں شامل نہیں جن کی جماعت ہی اہل بیت ہے الگ ہے اور وہ اپنی ہلاکت طاعت رکھتے ہیں امام کے زیر اثر نہیں ہیں پھر جو بیعت کر چکے ہوں تو جس حد تک امیر کا حق ذاتیاتی ہو ان پر منع و طاعت واجب ہے اور یہی حاصل احادیث منع و طاعت کا ہے۔

لیکن جب فسق متعدی ہو اور اجتماعی رنگ کا ہو اور طاعت کرنے میں دین ضائع ہونے لگے تو وہ خود ہی مستحق عزل ہو جاتا ہے اور بیعت کنندوں کو بھی فسخ بیعت کا اسحقاق ہو جاتا ہے یہی اس صورت میں بھی حضرت امام ہمام کو اس اقدام میں ہرگز مطعون و ملام نہیں کیسا جا سکتا۔ کہ ان کی مقبولیت خدا شہادت یا شہادت میں فرق تھے اس حقیقت پر حجت الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی مؤسس دارالعلوم دیوبند کے حکیمانہ تجلیہ ملاحظہ ہوں جو قرآن و حدیث سے اصول اور امر بہ عیادت کے کلام کا چمچڑ ہیں۔

اندرین صورت در شہادۃ	ن صورت میں امام علیہ السلام کی شہادت
حضرت امام ہمام علیہ السلام چہ	میں کیا تو وہ جو کسا سبب یزید ان کے
تر و دہ نہ یزید در حق و مخالف	حق میں حلیف تھا۔ ان کا خروج کس نے
خفیہ بود و خروج بود ممنوع	خفیہ ممنوع تھا، و اگر وہ علیہ السلام
و اگر حلیف بود تا ہم خروج ممنوع	پھر بھی خروج ممنوع نہ تھا خروج بھی ممنوع
بود۔ و اگر خروج ممنوع بود	تھا تو عزل ممنوع نہ تھا۔ حاصل یہ کہ
مزال ممنوع نہ بود۔ بالجسد	دیوبند ممانعت خروج تو محمد نہ نہیں اور

دجود عمانعت مغفور (موجباً)
 جہاد موجود۔ ورنہ نیت کلام
 نیست۔ باز اگر اوشان شہید
 نکلند دیگر کلام خواہد بود۔
 ورنہ ہی ہم دگدگہ شستیم اگر
 موجب است۔ جہاد نبودند اوشان
 نیز رتدہ جہاد پندہ میخواست
 مستند کہ براہ خود روند لشکریان
 یزدیہ پندہ گداز شستہ و محاصرہ کردہ
 ظلماً شہید ساختند من قتل دود
 عرضہ و مال فہو شہید۔
 نام سوم جہاد کتبہ نمبر ۱۵۱

موجبات جہاد موجود تھے۔ حسن نیت امام
 میں کلام نہیں پھر اگر وہ شہید نہ تھے
 تو نہ رکون شہید ہوگا؟
 ہم اسے بھی چھوڑتے ہیں۔ اگر موجبات
 جہاد بھی موجود تھے تو حضرت امام ہی تو
 جہاد سے منکر کر رہے تھے کہ ان کا
 راستہ خود کا حوسہ وہ یہاں سے کسی
 بھی نکلے گا وہیں اچھپ نکل جائے۔ یزدیہ
 یزدیہ پندہ کے فوجیوں نے انہیں شہید
 ساسہ نہتہ ملک دیئے اور گھیرے میں
 لیکر قتل کر دیا۔ تو جنس حدیث نبوی (ج)
 اپنی آبرور مال بچاتا جہاد کا شہید
 ہے (قوس شہادت میں حوضہ کی گتھا ہے)

بہر حال حدیث عبادہ میں کفر بوجہ کے معنی معصیت کے ہوں یا اسلحا
 کفر کے دونوں صورتوں میں حکومت امام ہام کے اس تولاہ یزید قدم انہوں نے
 پر کوئی شرعی حکم وارد نہیں ہوتا اور نہ ہی یہ قدم کسی بھی صورت
 میں اس حدیث کے خلاف ہے۔ جب کہ یزید کا فسق نمایاں تھا اور
 اس کی وجہ سے وہ مستحق عزل ہو چکا تھا۔ ہاں اگر یزید علیہ ارشاد
 نہ کم از کم امیر عادل ہوتا تو اس صورت میں حضرت امام کے اس فعل کو ناجائز

یا بناہت کہنے کی گنجائش تھی۔

لیکن جب کہ وہ ماحول نہ تھا بلکہ موافق و مخالف سب کے اتفاق سے فاسق تھا تو امام حسین کا اس کے خلاف کھڑے ہونا۔ نہ صرف یہ کہ ہائز نور حق بجانب تھا جسے بناوٹ کہنا خود بناوٹ حق سمجھ بلکہ حضرت امام کا یہ اقدام یزید کے فسق اور اس قتل میں اس کے ناحق بجانب ہونے کیلئے اندر زیادہ مزید اور حضرت امام کی شہادت کیلئے مثبت تھا۔ ابن مندوی لکھتے ہیں۔

واعلم انہ اقسام ثلث من
اعمال الفاسق ما كان مشرو
وقال البغاة عند حد من
شوطه ان يكون مع
الامام العدل وهو مفقود
في مستلثنا فلا يجوز قتال
الحسين مع يزيد ولا يزيد
بل هي من فئات الموكدة
لنصفه والحسين فيها شهيد
مصاب وهو على حق واجتهاد
والصحة الدين كاقوام
يزيد على حق واجتهاد
دستور ابن مندوی

۱۱۔ کہہ دو کہ فاسق امیر کے وہی مان اٹھا
حدوث ہلکے ہو سکتے ہیں جو مشرک ہوں اور
اجل سے قتل کرنے ہیں اہل شرک کے نزدیک
شوط یہ ہے کہ امام عادل جو جب اسی کے
ساتھ ہو کر اجنبی سے جنگ کا پاسکتی ہے
لاریت اسے اس مسئلہ میں مفقود ہے (کیونکہ
یزید امیر عالم ہی نہ تھا اسی لئے حسین کے
ساتھ قتال کرنا یزید کے ساتھ ہو کر یزید
کے لئے جائز نہ تھا بلکہ یہ جو کہیں یزید کے
فسق کے لئے زیادہ سترہ اور موقوفہ بہت
ہوئیں اور حسین اس قتال میں شہید اور
اجزائے نبوت حضرت محمد حق اور اجتہاد پر
تھا اور صواب و عدل کے ساتھ تھے وہ

بھی کی اور اجتہاد پر تھے۔

ابن خلدون نے اسی حقیقت کا تجربہ کرتے ہوئے لکھا ہے۔

فقد تبين لك غلط الحسین
لہ پر اتنا تو واضح ہو گیا کہ حضرت حسینؑ نے
الامام في امور ديني لا يظوه
المقام پر میرا اپنی مار کا شوکت و قوت سمجھنے
الغلط فيه و اما الحكم الشرعي
میں غلطی کی لیکن یہ غلطی ایک ذیوی امر
ظور لفظ فيه لافظ منوط بظن
یعنی حقیقی تدبیر، میں تھی جو ان کے لئے کچھ
وكان قلب القدره على ذلك
بھی مقرر تھی کیونکہ اس کا وہو مدبران کے
مقرر ابن خلدون مدظلہ
گمان پر تھا اور گمان یہ تھا کہ وہ جہیں نہیں

کے مقابلہ کی اہلیت ہے، تو ان کے نیت اور گمان کے لحاظ سے یہ غلط اور اجتہاد

تھی کسی علم شرعی کے نکلنے سے نہ تھی کہ اسے مقرر کیا ہو۔

اسی سبب واضح ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے یزید کے خلاف
کھڑے ہونے میں مساوات کسی نیت کی غلطی جیسے حب جاہ و مال وغیرہ کی
لفوظ نہیں کی ہے شرعی گناہ کہا جاسکتا ہے جو عباسی صاحب کا مدعا ہے اور
اگر ان سے اجتہادی غلطی بھی ہوئی تو وہ بھی اپنی اہلیت کے سمجھنے میں نہیں
بیٹھا کہ گذرا بلکہ اپنی شوکت اور غلبہ کے مظنون ہونے کی حد تک کہ میری
ساتھ اتنی طاقت ہے کہ کامیابی ممکن ہے۔ تو یہ اگر غلط اجتہادی بھی
تھی تو ایک تدبیر اور ذیوی کی حد تک تھی جو حضرت حسین کے لئے
مقرر نہیں مقرر شرعی غلطی ہوتی ہے۔ جس سے وہ بری تھے۔ اسی طرح
دوسرے حضرات صحابہ جو پندیر کے خلاف نہیں کھڑے ہوئے تو اس

بنا پر کہ

”کر وار غیظ میں کوئی خامی یا برائی ایسی نہ تھی کہ اس کی نفاذ
خروج کا حجاز لگلا جا سکتا ہے“

(خلافتِ یزید و معاویہ ص ۹۹)

یا ان سے نزدیک یزید ناسق اور نا اہل نہ تھا بلکہ وجودِ خامیوں اور
برائیوں کے اتنی حدتِ قتلِ مسیحین کا اندازتہ نہ تھی کیا جس سے یہ مقدسین اس
خیالی سے اتر رہے۔ اور حضرت مسیحین کو بھی اس اقلہ سے ہٹانے کی کوشش
کی مگر پھر بھی انہیں کسی حدیث کا مرتکب خیال نہیں کیا۔
اپنے غلطوں کو کہتا ہے۔

د امانیہ بحسب من العصابۃ	لیکن حضرت مسیحین کے سوا اور کچھ صحابہ جو
الذین كانوا بالچماز ومع یزید	حجاز میں تھے انہوں پر ایک۔ تھے شام و عراق
والشام والعراق ومن انہیں	میں تھے اور جو کورسہ کی رستہ کے تھے
بہم فداواں لخر دجو ملی یزید	تھے بریکے قتلِ حجاج حجاز میں کھتے
وان کان ذی سقلا یجور ما یثا	تھے گرجہ یزید کے دوستوں کے، اس تھا
عنہ من الجرح والدماء ما قصوا	اس طرح سے قتل و جرحی کا ہی ہوا تو
عن ذلک ولحد یتابعوا بحسب	و حضرت اسی حور پر یہ سے رک گئے۔ اور
ولا انکرہ علیہ ولا حقوا رند	حضرت مسیحین کے ساتھ نہ ہوتے مگر حضرت
مجتہدین و هو اسوة الطیبین	پر کوئی اذکار و علامت بھی نہیں کیا اور نہ
مقدم ابن سلیمان ص ۱۳۱	ہی، نہیں گنہگار سمجھا کیونکہ امام صلیبی جتہد

تھے اور یہ حضرت بھی مجتہد تھے۔ اور یہی مجتہدین کا طریقہ ہے کہ ایک مجتہد اپنے

مجتہد پر انکار و طعنات نہیں کرتا اگرچہ سب سے عہدہ سے نال ہو جاتا ہو

عباسی صاحب نے حدیث یزید اور قدس حسین کے سلسلہ میں محمد بن حنفیہ کا نام لے کر یزید کے ساتھ دعویٰ کیا ہے کہ ان جیسے شیعہ اور بدستہ بھی موجود حضرت حسین کے بھائی ہونے کے یزید کی بیعت قبول کریں اور حضرت حسین کا نہ خود ساتھ دیا نہ اپنی اولاد کو اس کی امانت دی۔ تو اس سے بڑھ کر یزید کے حق گرفتار اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ائمہ و خدام کے خلاف ملامت کی اور کیا دلیل ہو سکتی ہے؟

لیکن سوال یہ ہے کہ کسی کا نام لینے نہ لینے سے اصل معاملہ میں کس فرق کیا پڑا؟ جب کہ بنیادی طور پر تاریخی شہاد تو یہ ہے یہ متعین ہو گیا کہ اس زمانہ کے تمام اکابر واقف یا غواہ یزید سے بیعت کئے ہوئے ہوں یا نہ کئے ہوئے ہوں۔ سب اسے فاسق اور بالفاظ دیگر مستحق عزل جانتے تھے تو ان میں محمد بن حنفیہ بھی آجاتے ہیں۔ اگرچہ نام نہ لیا جائے اور اگر بیعت یزید کے سلسلہ میں ان کا نام ہی لے دیا جائے تو اس سے یزید کے فتنے یا مستحق عزل ہونے میں اور حضرت حسین کے اقدام کے صحیح ہونے پر کیا اثر پڑ سکتا ہے۔

گویا عباسی صاحب کا منشاء یہ ہے کہ جب تک کسی کا نام لے کر نہ ثابت ہو کہ انہوں نے امام حسین کے مقابلہ یزید تا بعد یا حوصلہ افزائی کی اس وقت تک انہیں حضرت امام کا مخالف اور یزید کا حامی قرار دیا جائے گا۔

جائے گا۔ گو یہ کوئی اصولی بات نہیں لیکن پھر بھی اگر اسے تسلیم ہی کر لیا جائے تو محمد بن الحنفیہ کے نام کی تفسیر کے ساتھ تاریخ ہی سے یہ بھی سن لیجئے کہ محمد بن الحنفیہ سے بھی نہ صرف یہ کہ حضرت امام کے اس اقدام کو بڑا یا ناجائز ہی نہیں سمجھا بلکہ حضرت حسین کو اس سے روکا بھی نہیں حتیٰ کہ اس کی تدبیر بھی بتلائی جس کے معنی وہ ہیں کہ دس سے دو بھی یہی چاہتے تھے کہ یزید کا اقتدار باقی نہ رہے کہ وہ فسق و فجور کا اقتدار ہے مگر اس قدم میں اندیشہ ناکامی اور خوف فتنہ کو تقریباً یقینی سمجھنے کی وجہ سے نبیوں نے حضرت حسین کا حکم ساتھ نہیں دیا اور انہیں اس قدم سے روکا بھی مگر نہ اس لئے کہ یزید کے خلاف ایسا قدم ممنوع یا غیر مستحسن ہے یا وہ فاسق اور ناکامی نہیں یا وہ مستحق عزل نہیں۔

چنانچہ سافظی ابن کثیر محدث و مؤرخ کی عبارت ذیل سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح کھل کر سامنے آجاتی ہے۔ وہ تحریر فرماتے ہیں کہ

وَمَا الْحُسَيْنُ مِنْ عَمَلٍ وَدَلِيلٍ	وہما حسین بن علی و دلیل
تُشَاغِلُ عَنْ بَابِ الْمَرْبِ بِرِجْلِ	از پر کے عمل میں لگ کر حسین سے کچھ
كُنْ بَابُ الْيَدِ يَقُولُ هَتَّى تُنْظَرُ	فماض ہو اور جب بھی اُن سے اجیتے
وَمِنْظُورُهُ جَمْعُ أَهْدٍ وَبَيْتٍ	کے لئے، کہنا تو حضور حسین جو اہد و بیت
وَمِنْ كَيْفِيَّةِ الْإِحْدَ لِيَسْتَبِينَ	وہ کہ تم بھی سوچتے تھے جو ہم بھی غور کر
فَقِيَّتَا مِنْ رَجَبٍ مِنْ هَذِهِ	وہے ہیں جس کے بعد اسوہ سے پہلے
الْمَسْنَةِ هَذَا خَرُوجُ ابْنِ الْمَوْبِقِ	الہٰی خیال کر بھیج گیا اور اس مسنہ کے لئے

بلیدة ولہر یختلف عنہ احد
من اہل سوی محمد بن الحنفیہ
قامتہ قال لہ واطہ یا اخی رنت
اعز اهل الامم من عتی وای فاصم
لک لاتد خلن معہ من ہذا
الامم اسکن الہوادی
والرہاں وایوت الی الناصب
فاداب یورق واجتمعوا علیک
قادخل اخصودان ابیت الا
سکنی اخصر فاذہب الی مکة
فان رائی ما عجب ولا ترفعت
الی التومل والجلال فقال لہ
جزاک اللہ عیما فقد لہمت
واشفقت وسانا الحسین افر
مکتہ - ۶۱ - البلیة والنهاية

۱۳۵-۱۳۶

کہ در راہیں رہی قصیر کو دودلا ہو گئے
وہی کہ ہر کہ راہ کے ایک دست ہمد اور
ان کے غامدان میں سے کوئی بھی ساتھ نہ
تھیں۔ یہ سوائے محمد بن الحنفیہ کے تو محمد بن
حنیفہ نے صورت حسین سے کہا کہ خدا کی قسم
میرے بھائی میں قصیر اپنی نظر میں ساری
دنیا سے زیادہ عزیز ہوتا ہوں۔ اور یہی
قصدی غیر غریب ہے کہ یہ کتا ہوں کہ دل
تمہ تم کسی بھی شہر عیا میں شہر میں سے
مرمت جاؤ بلکہ دیات اللہ وریگان میں
قیام کر لے لوگوں کو اطلاع دے دو کہ وہ تم
سے پیوستہ کہ یہی اللہ تم پر بھیجے ہو جائیں
جب شہر کا رخ کرو۔ اور اگر یہ صورت تم
شہر میں ہی رہنا چاہتے ہو تو حکم چلے
یہ۔ اگر وہاں وہ بات چلے، یہ سوائے
تم چاہتے ہو شہر اللہ وریگان بولنا پڑے

یہاں میں قیام کرکو۔ اس پر حضرت حسین نے فرمایا کہ نہ تھانے نہیں جوئے
غیر خدا فرمے تم نے نیک مشورہ دیا۔ اور شفقت کی اور کہ کلام سے دیا۔
اس سے صاف واضح ہے کہ حضرت محمد بن الحنفیہ حضرت حسین کے اس

اقدام کو جو یزید کے خلاف تھا کوئی بُرا اقدام یا شرعی گناہ نہیں سمجھتے تھے۔ صرف مصلحت کی وجہ سے ان کی ہمت نہ تھی۔ اگر وہ اسے شرعی جرم مانتے تو حضرت حسین کو کسی بھی درجہ میں لوگوں کی بیعت لینے کا مشورہ نہ دیتے۔ ان کا تدبیر بنانا کہ اگر تمہیں یہ کرنا ہی ہے تو وہ سیاست میں قیام کرو ورنہ بیکار بیعت لو اگر بیعت شروع ہو جائے تو لوگوں کی بیعت نہ لیا۔ ساتھ ہو جائے تو پھر شہر میں کاٹ دیا کر۔ ظاہر ہے کہ یہ سب دوسطین ہرگز نہیں دیکھا۔ غلطی وقت کے کردار کا مقتدر ہو ہی نہ سکتا۔ مقتدر حکومت پر ہر قرار رکھتا رہتا ہے۔ وہ ان کی سیدھی نصیحت نہ سمجھتی کہ قبیلے کے کسی حالت میں بھی شرعاً یہ غرض جاننا نہیں اور تم اس سے قوم کرو اور اس خیال کو دل سے نکال دو۔ غلطی نہ ہو۔ عادل کے ہوتے ہوئے تمہیں کس طرح یہ حق پہنچتا ہے کہ اس کے خلاف بغاوت کرو۔ پھر کہ میرے بھائی جب یہ کام کرنا ہی ہے، تو صحیح تدبیر اختیار کرو وہ طریقہ مفید نہیں ہو گا جو تم اختیار کرنا چاہتے ہو۔ تو تدبیر بنانا اور نفس خوری سے نہ کرنا اس کی واضح دلیل ہے کہ ایک تو محمد بن الحنفیہ اس اقدام کو کوئی شرعی جرم نہیں جان رہے تھے۔ وہ صرف غفلتوں میں اسے رک دیتے۔ حد سے زیادہ کو غلط سمجھتے اور شاید امیر عادل نہیں مان رہے تھے۔ وہ اس کے خلاف تدبیر دیتے تھے۔ تیسرے خود ان کی بیعت غلطی کے کردار کی کسی غلطی کی بنا پر نہ تھی بلکہ ائمہ فتنہ سے بچنے کے لئے تھی۔ گویا فی غنہ تو یزید کے خلاف

اقدام پر انہیں جانتے تھے بالعرض خارجی و جمہ و اسباب کی بنا پر آئے مفید اور مضر نہ سمجھنے کی وجہ سے اس سے روکتے تھے جو اس وقت کے عام اکابر و صحابہ و تابعین بالاحسان کا رویہ تھا۔

اس لئے عباسی صاحب کا محمد بن الحنفیہ کا نام لے کر ان کی خصوصی بیعت سے خصوصی طور پر بیزید کے کردار کی خوبی پر استدلال کرنا یا ان کے حضرت عیسیٰ کا علماً ساتھ نہ دینے سے حضرت عیسیٰ کے اس اقدام کو خلاف شرع یا غلط عقل کہنا یا انہیں باطنی سمجھنا یا انہیں اس اقدام پر مستحق اجر و ثواب نہ جاننا یا ان کی موت کو موت شہادت نہ سمجھنا تاریخی شہادتوں کی کھلی تکذیب ہے۔ جسے تاریخی ریسرچ "یا سپہ سالار تبصرہ" کا نام دینا برعکس نہند نام زندگی کا فور کا مصداق ہے۔

تیسرا منصوبہ

عباسی صاحب کا تیسرا منصوبہ یہ ہے کہ اہل کے دہم میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے یہ غیر شرعی اور غیر عقلی حالات کسی ہنگامی حالت کا اتفاقی ثمرہ تھے بلکہ عیاذ باللہ وہ بچپن ہی سے اپنے بھائی حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی صلیج جوئی اور صلیج کوشی کے برخلاف جتنے بندی اور گروہ سازی کے خوگر تھے جیسا کہ بچپن میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ممبر نبوی پر دیکھ کر ان کے ٹوک دینے سے انہوں نے اس پر استدلال فرمایا ہے کہ گویا بچپن سے ان کی جہالت ہی میں یہ اکھاڑ بکھاڑ غیر شرعی تھی جسے دیکھ کر ان

کے فہم کی وار دینی پڑتی ہے۔

گر نگاہ حقیقت میں سے دیکھا جائے جس سے عارفین مقامات
عرفان کے قلبی مقامات کو دیکھتے ہیں تو منکشف ہوگا کہ جیسے حضرت حسین
رضی اللہ عنہ کا صلح علی ہونا یا کسی صلح جوئی سے کوئی واسطہ نہیں جس کا
مشتا و یہ سازی ہوتا ہے ایسے ہی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے اس
مقولہ کا جتھ بندی یا گروہ سازی کے جذبات سے دور کا بھی واسطہ نہیں
جس کا منشا عموماً کبر نفس اور آزار رسانی خلق ہوتا ہے حقیقت یہ ہے کہ
حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے اس مقولہ کا تعلق جتھ بندی کے جذبات سے
نہیں بلکہ محبت نبوی کے جوش میں طبعی غیرت سے ہے جو قلب کے اونچے
مقامات میں سے ہے۔ باپ کی گدی پر کسی دوسرے کو دیکھ کر غیرت کا
جوش تو اٹھ بھر سکتا ہے مگر کا نہیں اُبھر سکتا کہ اس سے لڑنے مرنے
اور جتھ بندی کے جذبات متحمل ہونے لگیں۔ دوسرے یہ کہ کبر نفس
کا اُبھار جو جتھ بندی کا سرشت ہے خود اپنے سے کسی کو اونچا دیکھ
کر ہوتا ہے۔ ورنہ ہاں حضرت حسین رضی اللہ عنہ اپنی نسبت سے کوئی
ایک کلمہ بھی حضرت عمر کو نہیں کہتے بلکہ اپنے جدِ پاک کی نسبت زیچ
میں لاکھوں سے خطاب کر رہے ہیں جو اس کی یہ کھلی دلیل ہو سکتی ہے
کہ اس کا منشا اپنے جدِ پاک کی محبت کے ذریعہ طبعی غیرت تھی جو محبت
کا خاصہ ہے، پھر جتھ بندی کے منشا ہرہ کا کوئی موقع بھی تو ہو کہ اس کی
وجہ سے جتھ بندی کے جذبات اُبھرتے۔ چنانچہ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ

عمر بڑی پر غلبہ پڑتا ہے جس کے دربار خداوندی میں حاضر ہونے کا مقام
 عبادت میں کھڑے ہونے کے لئے ذکر مقام ہدایت حکمرانی میں تھے اور ظاہر
 ہے کہ کسی کو مقام عبادت میں دیکھ کر جتنے ہی پاکیزگی کے جذبات
 اچھونکے کوئی معنی ہی نہیں کہہ سکتا ہے اس لئے کہ اگر خود اپنے حق میں کہیں
 کہیں اس عبادت کے مقام پر نہیں اپنے جذبات اُجڑ سکتے ہیں تو غلبہ کے
 پیچھے قیامت کے دن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سادۂ کبریٰ اور مقامات
 رفیعہ کو دیکھ کر انبار علیہ السلام غلبہ کریں گے۔ ہمارے لئے یہ ہے کہ ہم
 اپنے اندر یہ جذبات بھر سکتے ہیں کہ اس موقع پر اپنے جہنم کی عبادت چاہتے
 کہ یہ اللہ کا مقام تھا یا انصاف جبکہ یہ مقام انہی سے جاری بھی ہوا تو غیبت
 کے جذبات اُجڑ سکتے ہیں۔ جہنم کی جگہ سے اُجڑ سکتے ہیں۔ یہ دونوں ہی
 مقام ہونا اور متعلق ہیں۔ اس موقع پر جو کہ حقیقت میں اللہ جل جلالہ نے میرٹ
 کو غلبہ نہت دیکر حضور علیہ السلام کی قیامت میں غیبت چلتی ہے جو
 اپنے واقع پر غلبہ طبیعتوں سے نہیں ہی پاس ہے لیکن ساتھ ہی جو کہ نہیں ہی ہے
 اپنے اس کی تعبیر کا لفظ اللہ ہے جو ہے جس سے مسعودیت ہے کہ اس سے
 ملو جو کہ درستی سے جہاں سے ماضی ہے یہ ہے کہ یہ کہہ کر یہ کہہ کر یہ کہہ کر
 کہنے کے ایک نوعی حالت کو نچا دیکھنے کی کوشش کرنا، اس لئے اب میں نہیں کی
 مسعودیت کو کہیں بھی جہاز نہ کر کہیں نظر آئیں۔ اور قتال کے مقامات میں داخل
 کے عبادت جو کہ نظر آئے ہیں اب میں اپنے دل کا جہان لہا چاہئے تھا
 حضور میں نے ان مقامات پر غلبہ کرتے۔

اس موقع پر محض حقیقت واقعہ سامنے لانے کیلئے یہ عرض کرنے کی جرات ہوئی ہے کہ جب اسی صاحب نے حضرت حسن اور حضرت حسینؑ کی شہادت کی طبع میں غلطی فرق دکھانے کی کوشش کی ہے۔ اور اس حقیقت سے نگار بھی نہیں کہ جا سکتا کہ ان دونوں مقدس بیانیوں کی مقدس طبیعتوں میں یقیناً کافی فرق تھا لیکن اس فرق کی وہ تعبیر جو عباسی صاحب نے کی ہے غلط اور خلاف واقعہ بھی ہے اور ان کی توہین بھی ہے کہ حضرت حسن کی طبعی خواص جوئی کی تھی اور حضرت حسین کی اس کے برعکس پیغمبر ہندی کی معاذ اللہ۔ اچھے قلبی احوال اور اخلاقی مقامات کی صحیح تعبیر ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ پر حسب فی اللہ کا غلبہ تھا اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ پر بغض فی اللہ کا۔ جو کمال ایمان کے وواعلیٰ مقامات ہیں۔ ارشاد ہوئی ہے۔

من احب فی اللہ وابقض فی اللہ
 اللہ واطعی اللہ ومنعہ اللہ فعدا
 من نے اللہ کو محبت کی اور اللہ سے کینہ رکھا
 اللہ کی اور اللہ سے کینہ رکھا
 اللہ سے کینہ رکھا
 اللہ سے کینہ رکھا

یہ دونوں شائیں درحقیقت انبیاء علیہم السلام کی ہیں۔ اسی کے طفیل میں ارشاد نبوت کو حسب استعداد متی ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی یہی دونوں شائیں حدیث پاک میں ارشاد فرمائی ہیں کہ :-

بُشْتُ مَرْحَةً وَنَحْمَةً
 میں رحمت بنا کر بھی بھیجا گیا ہوں اور جنگ بنا کر بھی۔

ایک جگہ ارشاد ہے :-

أَنَا الْمَحْلُوكُ الْفَتَالُ
 میں بہت ہنس مکھ بھی ہوں اور بہت غمگین بھی۔

جس سے واضح ہے کہ صلح و جنگ دونوں نبوت کی شائیں ہیں۔ آپ ایک

شأن کے ساتھ رحمتہ اللعالمین تھے اور ایک شان کے ساتھ نذیر اللعالمین مبراہم
قہر کی یہی دو شانیں ایمان کے مد باز ہیں کہ ان کے ہمے ہمے جہاں سے ایمان
کا پرندہ عرش تک پرواز کرتا ہے۔

حضرت حسن و حسین میں یہ دونوں شانیں جمع تھیں جزو نبی ہو چکی وہ جسے غلط بھی
الحدیث نبی ہو چکی وہ جس سے بیضی نبی ہوئی، کتنا بامعنی مگر حضرت حسن میں حب فی اللہ
کے جذبہ سے شأن مہر جمال کا جذبہ تھا اور حضرت حسین میں بغض فی اللہ کے جذبہ سے
شان قہر و جمال کا جذبہ تھا۔ اس لیے حضرت حسن کی نظر تو معروف پر پڑتی تھی جو حب فی اللہ
کا تہ نہا ہے اور اس لیے ایک طبع میلاد پر احسان ایسا مستولی تھا جس سے نعمت و جلال
آپنا اپنے ہاڑ حق اللہ آئے مجھے ملک سے بھی دست برداری دیدی اور حضرت حسین
کی نظر منکر پر پڑتی تھی جو بغض فی اللہ کے مقام کا تہا نہا ہے اور اس لیے ایک طبع
میلاد میں برائی کے مثل سے کاجوش اللہ فاسقوں کو دبانے خود ظالموں سے وہبہ
چمکے حقوق لیکر اہل حقوق کو پہچانے کا دوا کار فرما تھا۔

الفاظ و غیر ان دو مقاموں کی اصطلاحی تعبیر یوں کی جا سکتی ہے کہ حضرت حسن میں
شان صدیقیت نمایاں تھی تو ان کے تمام فعل و احوال زائد فی اللہ دنیا ربانی فی الآخرة کا
مصدق تھے جو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی شان حضور نے ارشاد فرمائی ہے اور حضرت حسین
میں شان فاروقیت نمایاں تھی تو ان کے تمام افعال احوال میں قویاً ایذا لایخلاف فی اللہ
لأمة لا یشک کا مصداق تھے جو حضور نے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی شان بیان فرمائی۔

عراق حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی حبیت میں رحمت و شفقت کے اُسے تھی جو
صدیقیت کا تقاضا ہے مگر دنیا داری کے انداز سے نہیں بلکہ عوالم سبع جوی و سبع کل

تھے امیر کرتے ہیں کہ اس سے مسترنا خلق کی بوائی ہے جس سے حضرت نام بری تھے اور حضرت حسینؑ کی لہیت میں اس کے برعکس جوش و ہلال کا رنگ اور منقرض نغز آگے آئے رہتا تھا جو غافلیت کا تقاضا ہے مگر دنیا داری کے رنگ نہیں جیسے لوہا انہی جتنہ بندی اور اکھاٹ پچھاڑتے قہر کرتے ہیں جس سے عینہ ربانی خلق اللہ کی بوائی ہے جس سے حضرت ام بری تھے بلکہ یہ دونوں شاخیں درخت کے دو الٹی مقام تھے جن کا شرعی لقب وہی حسب فی اللہ اور بغض فی اللہ ہے جو اہل اللہ کے توب کے رفیع ترین مقامات دامن میں سے ہیں۔

اس حقیقت کو سامنے رکھ کر دیکھا جائے تو حسب فی اللہ کا سرنامہ مرادۃ اللہ ہے اور بغض فی اللہ کا سرنامہ غیرت و محبت ہے چنانچہ حضرت حسنؑ بنی اللہ عنہ کی پوری زندگی مرادۃ اللہ سے بھرپور ہے جس سے ایثار اور اپنے ہائے حقوق سے دست بردار ہونے کا اصل شدہ حقوق سے جو جب اللہ کی رکنی کے افعال کا ظہور ہوا اور حضرت حسینؑ کی پوری زندگی محبت نبویؐ کی وجہ سے غیرت و محبت سے معمور ہے جس سے اللہ حقوق اور دفع مظالم کے افعال کا ظہور ہوا حتیٰ کہ اسی واقعہ مظالم اور وہ منکرات کے کالموں میں نئی جان پاک بھی جان آفرین کو دیگر شہادت غلطی کے مقام پر بجا پہنچے۔

پس حضرت حسینؑ رضی اللہ عنہ نے جو خطاب حضرت عمرؓ سے فرمایا جبکہ وہ غیر نبویؐ پر کھڑے سمجھتے تھے وہ اسی غیرت و محبت نبویؐ سے ابھرنا خطاب تھا جو سرسبز زمین اور مقامات عقیقہ میں سے ہے نہ کہ قبول بھاسا صاحب کے جتنہ بدی کی خو کی بنا پر جو ان کے مقام رفیع کی غلط اور سوتیلہ تعبیر ہے اور ان کے ہنر کو عیب نہ کہنا ہے۔ چشمہ اندیش کہ برکندہ باد عیب نماید ہنرش در نظر

بہر حال حضرت عیسیٰ سے نفی صحابیت ہی پر اہل ایمان بغاوت اور غزنی جہالت کے برعین منسوب عباسی صاحب نے تیار کئے تھے باغیر حضرت حسینؑ کی مقدس ذات ہی بیوقوفانوں سے بڑی اور بالا تر ثابت ہو گئی اور آسمان کی طرف جو تکرار کیا تھا وہ قصور کے والوں ہی کے منہ پر آ پڑا حضرت حسینؑ جو شہید سید عالمینؑ و شہداء جنت ربیعہؑ نبویؑ اور محبوب خداوندیؑ ہیں ان سے صحابی صاحب روایت صحابی و اہلیت صحابی ہو کیجئے فضائل کوئی نہیں بھین سکتا۔ اگر ان فضائل کے ثبوت سے مزید کافس نہیں اٹھ سکتا تو نہ اٹھے۔ وہ بہر صورت صاحب فضائل رہیں گے۔ بلکہ جب حضرت حسینؑ سے مزید کائنات ذال کر حضرت حسینؑ کی توہین کی شافی گئی تو ان کی حقیقی فضیلت اور ہندگی اور ان کے پاکیزہ ترین کردار کی بعد کی نوعیت اس وقت تک حادثات نہیں ہو سکتی ہیں کہ اس کی قدر سنا دلائی پاسے۔ اور مزید کے بارے میں متعین۔ لہذا حاکمین اور محقق محدثین نے جو کچھ نقطہ نظر پیش کیا ہے نمایاں ذکر دیا جائے۔ گویا جمالی طور پر حضرت حسینؑ کے تذکرہ میں اس کا ذکر بھی آچکا ہے۔ مگر ذکر و مصلحت کے سبب مزید کے قلب کا جھنجھ اٹھ رہا ہے جو اسے ہیں اور نقل کرتے چلے آ رہے ہیں۔ اس کا حاشا نکات کر دیا جاتا بھی ضروری ہے۔ اس لئے ہم آئندہ مملوہ میں مزید پر بھی قدرے تفصیل سے کلام کریں گے۔

مزید اور اس کا کردار

مزید کا ذاتی فسق و فجور بھی کچھ کم نہ تھا۔ ولایت میں اس کا قصور اور

فقور حافظ ابن کثیر فقیہ الہدای وغیرہ نے نہایت صفائی اور وضاحت سے نقل کیا ہے جو کسی موقع پر آئے گا۔ لیکن جس فسق نے اسے مغفول غافل بنایا وہ اس کا اجتماعی رنگ کا فسق تھا جس نے نعمت میں فتور پیدا کر دیا۔ ذاتی فسق سے تو مغفولات تباہ ہو جاتی ہے لیکن اجتماعی فسق سے نعمت اور اجتماعیت تباہ ہو کر رہ جاتی ہے۔ سوائے علماء اور فقہاء نے زیادہ تر جریدہ کے اسی فسق کا ذکر کیا ہے اور اسی پر احکام مرتب کئے ہیں پھر اس میں بھی گلیے ترین فسق جس نے نعمت میں اس کی طرف سے قہر ہی اشتغال پیدا کر دیا وہ قتل حسین سے جو اسکل امدت کا شہکار ہے۔ ابن کثیر کہتے ہیں۔

وقد تقدم اننا قتل الحسين و
اصحابه على يد ابي عبيد الله
ابن زياد ابدية واثباته ۳۲
اور یہ گزر چکا ہے کہ (یوزید) نے حسین اور
ان کے ساتھیوں کو ہمدانہ میں ذرا کے
اتار سے قتل کیا۔

کوئی وجہ نہیں کہ قاتل حسین کو اس قتل پر خوشی نہ ہو مطلقاً نہ شادی
بخاری نے علامہ سعد الدین تفتازانی سے نقل کیا ہے کہ۔

والحق ان رضا یزید بقتل
الحسين و سبب شاربہ بدمت و
اھانتہ اھل بیت النبی صلوٰۃ
علیہ وسلم ما اتوا من عندہ و
کان فاصیلاً اھا اھل اہل بیت ۳۳
اور حق بات یہ ہے کہ یزید کا قتل حسین سے اپنی
جدا اور اہانت اہل بیت علیہم السلام علی اللہ علیہم
الصلوٰۃ والسلام میں سے جو سبب کا غور ہو تو ترکہ کتب
۳۲ ۳۳
۳۴ ۳۵
۳۶ ۳۷
۳۸ ۳۹
۴۰ ۴۱
۴۲ ۴۳
۴۴ ۴۵
۴۶ ۴۷
۴۸ ۴۹
۵۰ ۵۱
۵۲ ۵۳
۵۴ ۵۵
۵۶ ۵۷
۵۸ ۵۹
۶۰ ۶۱
۶۲ ۶۳
۶۴ ۶۵
۶۶ ۶۷
۶۸ ۶۹
۷۰ ۷۱
۷۲ ۷۳
۷۴ ۷۵
۷۶ ۷۷
۷۸ ۷۹
۸۰ ۸۱
۸۲ ۸۳
۸۴ ۸۵
۸۶ ۸۷
۸۸ ۸۹
۹۰ ۹۱
۹۲ ۹۳
۹۴ ۹۵
۹۶ ۹۷
۹۸ ۹۹
۱۰۰ ۱۰۱
۱۰۲ ۱۰۳
۱۰۴ ۱۰۵
۱۰۶ ۱۰۷
۱۰۸ ۱۰۹
۱۱۰ ۱۱۱
۱۱۲ ۱۱۳
۱۱۴ ۱۱۵
۱۱۶ ۱۱۷
۱۱۸ ۱۱۹
۱۲۰ ۱۲۱
۱۲۲ ۱۲۳
۱۲۴ ۱۲۵
۱۲۶ ۱۲۷
۱۲۸ ۱۲۹
۱۳۰ ۱۳۱
۱۳۲ ۱۳۳
۱۳۴ ۱۳۵
۱۳۶ ۱۳۷
۱۳۸ ۱۳۹
۱۴۰ ۱۴۱
۱۴۲ ۱۴۳
۱۴۴ ۱۴۵
۱۴۶ ۱۴۷
۱۴۸ ۱۴۹
۱۵۰ ۱۵۱
۱۵۲ ۱۵۳
۱۵۴ ۱۵۵
۱۵۶ ۱۵۷
۱۵۸ ۱۵۹
۱۶۰ ۱۶۱
۱۶۲ ۱۶۳
۱۶۴ ۱۶۵
۱۶۶ ۱۶۷
۱۶۸ ۱۶۹
۱۷۰ ۱۷۱
۱۷۲ ۱۷۳
۱۷۴ ۱۷۵
۱۷۶ ۱۷۷
۱۷۸ ۱۷۹
۱۸۰ ۱۸۱
۱۸۲ ۱۸۳
۱۸۴ ۱۸۵
۱۸۶ ۱۸۷
۱۸۸ ۱۸۹
۱۹۰ ۱۹۱
۱۹۲ ۱۹۳
۱۹۴ ۱۹۵
۱۹۶ ۱۹۷
۱۹۸ ۱۹۹
۲۰۰ ۲۰۱
۲۰۲ ۲۰۳
۲۰۴ ۲۰۵
۲۰۶ ۲۰۷
۲۰۸ ۲۰۹
۲۱۰ ۲۱۱
۲۱۲ ۲۱۳
۲۱۴ ۲۱۵
۲۱۶ ۲۱۷
۲۱۸ ۲۱۹
۲۲۰ ۲۲۱
۲۲۲ ۲۲۳
۲۲۴ ۲۲۵
۲۲۶ ۲۲۷
۲۲۸ ۲۲۹
۲۳۰ ۲۳۱
۲۳۲ ۲۳۳
۲۳۴ ۲۳۵
۲۳۶ ۲۳۷
۲۳۸ ۲۳۹
۲۴۰ ۲۴۱
۲۴۲ ۲۴۳
۲۴۴ ۲۴۵
۲۴۶ ۲۴۷
۲۴۸ ۲۴۹
۲۵۰ ۲۵۱
۲۵۲ ۲۵۳
۲۵۴ ۲۵۵
۲۵۶ ۲۵۷
۲۵۸ ۲۵۹
۲۶۰ ۲۶۱
۲۶۲ ۲۶۳
۲۶۴ ۲۶۵
۲۶۶ ۲۶۷
۲۶۸ ۲۶۹
۲۷۰ ۲۷۱
۲۷۲ ۲۷۳
۲۷۴ ۲۷۵
۲۷۶ ۲۷۷
۲۷۸ ۲۷۹
۲۸۰ ۲۸۱
۲۸۲ ۲۸۳
۲۸۴ ۲۸۵
۲۸۶ ۲۸۷
۲۸۸ ۲۸۹
۲۹۰ ۲۹۱
۲۹۲ ۲۹۳
۲۹۴ ۲۹۵
۲۹۶ ۲۹۷
۲۹۸ ۲۹۹
۳۰۰ ۳۰۱
۳۰۲ ۳۰۳
۳۰۴ ۳۰۵
۳۰۶ ۳۰۷
۳۰۸ ۳۰۹
۳۱۰ ۳۱۱
۳۱۲ ۳۱۳
۳۱۴ ۳۱۵
۳۱۶ ۳۱۷
۳۱۸ ۳۱۹
۳۲۰ ۳۲۱
۳۲۲ ۳۲۳
۳۲۴ ۳۲۵
۳۲۶ ۳۲۷
۳۲۸ ۳۲۹
۳۳۰ ۳۳۱
۳۳۲ ۳۳۳
۳۳۴ ۳۳۵
۳۳۶ ۳۳۷
۳۳۸ ۳۳۹
۳۴۰ ۳۴۱
۳۴۲ ۳۴۳
۳۴۴ ۳۴۵
۳۴۶ ۳۴۷
۳۴۸ ۳۴۹
۳۵۰ ۳۵۱
۳۵۲ ۳۵۳
۳۵۴ ۳۵۵
۳۵۶ ۳۵۷
۳۵۸ ۳۵۹
۳۶۰ ۳۶۱
۳۶۲ ۳۶۳
۳۶۴ ۳۶۵
۳۶۶ ۳۶۷
۳۶۸ ۳۶۹
۳۷۰ ۳۷۱
۳۷۲ ۳۷۳
۳۷۴ ۳۷۵
۳۷۶ ۳۷۷
۳۷۸ ۳۷۹
۳۸۰ ۳۸۱
۳۸۲ ۳۸۳
۳۸۴ ۳۸۵
۳۸۶ ۳۸۷
۳۸۸ ۳۸۹
۳۹۰ ۳۹۱
۳۹۲ ۳۹۳
۳۹۴ ۳۹۵
۳۹۶ ۳۹۷
۳۹۸ ۳۹۹
۴۰۰ ۴۰۱
۴۰۲ ۴۰۳
۴۰۴ ۴۰۵
۴۰۶ ۴۰۷
۴۰۸ ۴۰۹
۴۱۰ ۴۱۱
۴۱۲ ۴۱۳
۴۱۴ ۴۱۵
۴۱۶ ۴۱۷
۴۱۸ ۴۱۹
۴۲۰ ۴۲۱
۴۲۲ ۴۲۳
۴۲۴ ۴۲۵
۴۲۶ ۴۲۷
۴۲۸ ۴۲۹
۴۳۰ ۴۳۱
۴۳۲ ۴۳۳
۴۳۴ ۴۳۵
۴۳۶ ۴۳۷
۴۳۸ ۴۳۹
۴۴۰ ۴۴۱
۴۴۲ ۴۴۳
۴۴۴ ۴۴۵
۴۴۶ ۴۴۷
۴۴۸ ۴۴۹
۴۵۰ ۴۵۱
۴۵۲ ۴۵۳
۴۵۴ ۴۵۵
۴۵۶ ۴۵۷
۴۵۸ ۴۵۹
۴۶۰ ۴۶۱
۴۶۲ ۴۶۳
۴۶۴ ۴۶۵
۴۶۶ ۴۶۷
۴۶۸ ۴۶۹
۴۷۰ ۴۷۱
۴۷۲ ۴۷۳
۴۷۴ ۴۷۵
۴۷۶ ۴۷۷
۴۷۸ ۴۷۹
۴۸۰ ۴۸۱
۴۸۲ ۴۸۳
۴۸۴ ۴۸۵
۴۸۶ ۴۸۷
۴۸۸ ۴۸۹
۴۹۰ ۴۹۱
۴۹۲ ۴۹۳
۴۹۴ ۴۹۵
۴۹۶ ۴۹۷
۴۹۸ ۴۹۹
۵۰۰ ۵۰۱
۵۰۲ ۵۰۳
۵۰۴ ۵۰۵
۵۰۶ ۵۰۷
۵۰۸ ۵۰۹
۵۱۰ ۵۱۱
۵۱۲ ۵۱۳
۵۱۴ ۵۱۵
۵۱۶ ۵۱۷
۵۱۸ ۵۱۹
۵۲۰ ۵۲۱
۵۲۲ ۵۲۳
۵۲۴ ۵۲۵
۵۲۶ ۵۲۷
۵۲۸ ۵۲۹
۵۳۰ ۵۳۱
۵۳۲ ۵۳۳
۵۳۴ ۵۳۵
۵۳۶ ۵۳۷
۵۳۸ ۵۳۹
۵۴۰ ۵۴۱
۵۴۲ ۵۴۳
۵۴۴ ۵۴۵
۵۴۶ ۵۴۷
۵۴۸ ۵۴۹
۵۵۰ ۵۵۱
۵۵۲ ۵۵۳
۵۵۴ ۵۵۵
۵۵۶ ۵۵۷
۵۵۸ ۵۵۹
۵۶۰ ۵۶۱
۵۶۲ ۵۶۳
۵۶۴ ۵۶۵
۵۶۶ ۵۶۷
۵۶۸ ۵۶۹
۵۷۰ ۵۷۱
۵۷۲ ۵۷۳
۵۷۴ ۵۷۵
۵۷۶ ۵۷۷
۵۷۸ ۵۷۹
۵۸۰ ۵۸۱
۵۸۲ ۵۸۳
۵۸۴ ۵۸۵
۵۸۶ ۵۸۷
۵۸۸ ۵۸۹
۵۹۰ ۵۹۱
۵۹۲ ۵۹۳
۵۹۴ ۵۹۵
۵۹۶ ۵۹۷
۵۹۸ ۵۹۹
۶۰۰ ۶۰۱
۶۰۲ ۶۰۳
۶۰۴ ۶۰۵
۶۰۶ ۶۰۷
۶۰۸ ۶۰۹
۶۱۰ ۶۱۱
۶۱۲ ۶۱۳
۶۱۴ ۶۱۵
۶۱۶ ۶۱۷
۶۱۸ ۶۱۹
۶۲۰ ۶۲۱
۶۲۲ ۶۲۳
۶۲۴ ۶۲۵
۶۲۶ ۶۲۷
۶۲۸ ۶۲۹
۶۳۰ ۶۳۱
۶۳۲ ۶۳۳
۶۳۴ ۶۳۵
۶۳۶ ۶۳۷
۶۳۸ ۶۳۹
۶۴۰ ۶۴۱
۶۴۲ ۶۴۳
۶۴۴ ۶۴۵
۶۴۶ ۶۴۷
۶۴۸ ۶۴۹
۶۵۰ ۶۵۱
۶۵۲ ۶۵۳
۶۵۴ ۶۵۵
۶۵۶ ۶۵۷
۶۵۸ ۶۵۹
۶۶۰ ۶۶۱
۶۶۲ ۶۶۳
۶۶۴ ۶۶۵
۶۶۶ ۶۶۷
۶۶۸ ۶۶۹
۶۷۰ ۶۷۱
۶۷۲ ۶۷۳
۶۷۴ ۶۷۵
۶۷۶ ۶۷۷
۶۷۸ ۶۷۹
۶۸۰ ۶۸۱
۶۸۲ ۶۸۳
۶۸۴ ۶۸۵
۶۸۶ ۶۸۷
۶۸۸ ۶۸۹
۶۹۰ ۶۹۱
۶۹۲ ۶۹۳
۶۹۴ ۶۹۵
۶۹۶ ۶۹۷
۶۹۸ ۶۹۹
۷۰۰ ۷۰۱
۷۰۲ ۷۰۳
۷۰۴ ۷۰۵
۷۰۶ ۷۰۷
۷۰۸ ۷۰۹
۷۱۰ ۷۱۱
۷۱۲ ۷۱۳
۷۱۴ ۷۱۵
۷۱۶ ۷۱۷
۷۱۸ ۷۱۹
۷۲۰ ۷۲۱
۷۲۲ ۷۲۳
۷۲۴ ۷۲۵
۷۲۶ ۷۲۷
۷۲۸ ۷۲۹
۷۳۰ ۷۳۱
۷۳۲ ۷۳۳
۷۳۴ ۷۳۵
۷۳۶ ۷۳۷
۷۳۸ ۷۳۹
۷۴۰ ۷۴۱
۷۴۲ ۷۴۳
۷۴۴ ۷۴۵
۷۴۶ ۷۴۷
۷۴۸ ۷۴۹
۷۵۰ ۷۵۱
۷۵۲ ۷۵۳
۷۵۴ ۷۵۵
۷۵۶ ۷۵۷
۷۵۸ ۷۵۹
۷۶۰ ۷۶۱
۷۶۲ ۷۶۳
۷۶۴ ۷۶۵
۷۶۶ ۷۶۷
۷۶۸ ۷۶۹
۷۷۰ ۷۷۱
۷۷۲ ۷۷۳
۷۷۴ ۷۷۵
۷۷۶ ۷۷۷
۷۷۸ ۷۷۹
۷۸۰ ۷۸۱
۷۸۲ ۷۸۳
۷۸۴ ۷۸۵
۷۸۶ ۷۸۷
۷۸۸ ۷۸۹
۷۹۰ ۷۹۱
۷۹۲ ۷۹۳
۷۹۴ ۷۹۵
۷۹۶ ۷۹۷
۷۹۸ ۷۹۹
۸۰۰ ۸۰۱
۸۰۲ ۸۰۳
۸۰۴ ۸۰۵
۸۰۶ ۸۰۷
۸۰۸ ۸۰۹
۸۱۰ ۸۱۱
۸۱۲ ۸۱۳
۸۱۴ ۸۱۵
۸۱۶ ۸۱۷
۸۱۸ ۸۱۹
۸۲۰ ۸۲۱
۸۲۲ ۸۲۳
۸۲۴ ۸۲۵
۸۲۶ ۸۲۷
۸۲۸ ۸۲۹
۸۳۰ ۸۳۱
۸۳۲ ۸۳۳
۸۳۴ ۸۳۵
۸۳۶ ۸۳۷
۸۳۸ ۸۳۹
۸۴۰ ۸۴۱
۸۴۲ ۸۴۳
۸۴۴ ۸۴۵
۸۴۶ ۸۴۷
۸۴۸ ۸۴۹
۸۵۰ ۸۵۱
۸۵۲ ۸۵۳
۸۵۴ ۸۵۵
۸۵۶ ۸۵۷
۸۵۸ ۸۵۹
۸۶۰ ۸۶۱
۸۶۲ ۸۶۳
۸۶۴ ۸۶۵
۸۶۶ ۸۶۷
۸۶۸ ۸۶۹
۸۷۰ ۸۷۱
۸۷۲ ۸۷۳
۸۷۴ ۸۷۵
۸۷۶ ۸۷۷
۸۷۸ ۸۷۹
۸۸۰ ۸۸۱
۸۸۲ ۸۸۳
۸۸۴ ۸۸۵
۸۸۶ ۸۸۷
۸۸۸ ۸۸۹
۸۹۰ ۸۹۱
۸۹۲ ۸۹۳
۸۹۴ ۸۹۵
۸۹۶ ۸۹۷
۸۹۸ ۸۹۹
۹۰۰ ۹۰۱
۹۰۲ ۹۰۳
۹۰۴ ۹۰۵
۹۰۶ ۹۰۷
۹۰۸ ۹۰۹
۹۱۰ ۹۱۱
۹۱۲ ۹۱۳
۹۱۴ ۹۱۵
۹۱۶ ۹۱۷
۹۱۸ ۹۱۹
۹۲۰ ۹۲۱
۹۲۲ ۹۲۳
۹۲۴ ۹۲۵
۹۲۶ ۹۲۷
۹۲۸ ۹۲۹
۹۳۰ ۹۳۱
۹۳۲ ۹۳۳
۹۳۴ ۹۳۵
۹۳۶ ۹۳۷
۹۳۸ ۹۳۹
۹۴۰ ۹۴۱
۹۴۲ ۹۴۳
۹۴۴ ۹۴۵
۹۴۶ ۹۴۷
۹۴۸ ۹۴۹
۹۵۰ ۹۵۱
۹۵۲ ۹۵۳
۹۵۴ ۹۵۵
۹۵۶ ۹۵۷
۹۵۸ ۹۵۹
۹۶۰ ۹۶۱
۹۶۲ ۹۶۳
۹۶۴ ۹۶۵
۹۶۶ ۹۶۷
۹۶۸ ۹۶۹
۹۷۰ ۹۷۱
۹۷۲ ۹۷۳
۹۷۴ ۹۷۵
۹۷۶ ۹۷۷
۹۷۸ ۹۷۹
۹۸۰ ۹۸۱
۹۸۲ ۹۸۳
۹۸۴ ۹۸۵
۹۸۶ ۹۸۷
۹۸۸ ۹۸۹
۹۹۰ ۹۹۱
۹۹۲ ۹۹۳
۹۹۴ ۹۹۵
۹۹۶ ۹۹۷
۹۹۸ ۹۹۹
۱۰۰۰ ۱۰۰۱
۱۰۰۲ ۱۰۰۳
۱۰۰۴ ۱۰۰۵
۱۰۰۶ ۱۰۰۷
۱۰۰۸ ۱۰۰۹
۱۰۱۰ ۱۰۱۱
۱۰۱۲ ۱۰۱۳
۱۰۱۴ ۱۰۱۵
۱۰۱۶ ۱۰۱۷
۱۰۱۸ ۱۰۱۹
۱۰۲۰ ۱۰۲۱
۱۰۲۲ ۱۰۲۳
۱۰۲۴ ۱۰۲۵
۱۰۲۶ ۱۰۲۷
۱۰۲۸ ۱۰۲۹
۱۰۳۰ ۱۰۳۱
۱۰۳۲ ۱۰۳۳
۱۰۳۴ ۱۰۳۵
۱۰۳۶ ۱۰۳۷
۱۰۳۸ ۱۰۳۹
۱۰۴۰ ۱۰۴۱
۱۰۴۲ ۱۰۴۳
۱۰۴۴ ۱۰۴۵
۱۰۴۶ ۱۰۴۷
۱۰۴۸ ۱۰۴۹
۱۰۵۰ ۱۰۵۱
۱۰۵۲ ۱۰۵۳
۱۰۵۴ ۱۰۵۵
۱۰۵۶ ۱۰۵۷
۱۰۵۸ ۱۰۵۹
۱۰۶۰ ۱۰۶۱
۱۰۶۲ ۱۰۶۳
۱۰۶۴ ۱۰۶۵
۱۰۶۶ ۱۰۶۷
۱۰۶۸ ۱۰۶۹
۱۰۷۰ ۱۰۷۱
۱۰۷۲ ۱۰۷۳
۱۰۷۴ ۱۰۷۵
۱۰۷۶ ۱۰۷۷
۱۰۷۸ ۱۰۷۹
۱۰۸۰ ۱۰۸۱
۱۰۸۲ ۱۰۸۳
۱۰۸۴ ۱۰۸۵
۱۰۸۶ ۱۰۸۷
۱۰۸۸ ۱۰۸۹
۱۰۹۰ ۱۰۹۱
۱۰۹۲ ۱۰۹۳
۱۰۹۴ ۱۰۹۵
۱۰۹۶ ۱۰۹۷
۱۰۹۸ ۱۰۹۹
۱۱۰۰ ۱۱۰۱
۱۱۰۲ ۱۱۰۳
۱۱۰۴ ۱۱۰۵
۱۱۰۶ ۱۱۰۷
۱۱۰۸ ۱۱۰۹
۱۱۱۰ ۱۱۱۱
۱۱۱۲ ۱۱۱۳
۱۱۱۴ ۱۱۱۵
۱۱۱۶ ۱۱۱۷
۱۱۱۸ ۱۱۱۹
۱۱۲۰ ۱۱۲۱
۱۱۲۲ ۱۱۲۳
۱۱۲۴ ۱۱۲۵
۱۱۲۶ ۱۱۲۷
۱۱۲۸ ۱۱۲۹
۱۱۳۰ ۱۱۳۱
۱۱۳۲ ۱۱۳۳
۱۱۳۴ ۱۱۳۵
۱۱۳۶ ۱۱۳۷
۱۱۳۸ ۱۱۳۹
۱۱۴۰ ۱۱۴۱
۱۱۴۲ ۱۱۴۳
۱۱۴۴ ۱۱۴۵
۱۱۴۶ ۱۱۴۷
۱۱۴۸ ۱۱۴۹
۱۱۵۰ ۱۱۵۱
۱۱۵۲ ۱۱۵۳
۱۱۵۴ ۱۱۵۵
۱۱۵۶ ۱۱۵۷
۱۱۵۸ ۱۱۵۹
۱۱۶۰ ۱۱۶۱
۱۱۶۲ ۱۱۶۳
۱۱۶۴ ۱۱۶۵
۱۱۶۶ ۱۱۶۷
۱۱۶۸ ۱۱۶۹
۱۱۷۰ ۱۱۷۱
۱۱۷۲ ۱۱۷۳
۱۱۷۴ ۱۱۷۵
۱۱۷۶ ۱۱۷۷
۱۱۷۸ ۱۱۷۹
۱۱۸۰ ۱۱۸۱
۱۱۸۲ ۱۱۸۳
۱۱۸۴ ۱۱۸۵
۱۱۸۶ ۱۱۸۷
۱۱۸۸ ۱۱۸۹
۱۱۹۰ ۱۱۹۱
۱۱۹۲ ۱۱۹۳
۱۱۹۴ ۱۱۹۵
۱۱۹۶ ۱۱۹۷
۱۱۹۸ ۱۱۹۹
۱۲۰۰ ۱۲۰۱
۱۲۰۲ ۱۲۰۳
۱۲۰۴ ۱۲۰۵
۱۲۰۶ ۱۲۰۷
۱۲۰۸ ۱۲۰۹
۱۲۱۰ ۱۲۱۱
۱۲۱۲ ۱۲۱۳
۱۲۱۴ ۱۲۱۵
۱۲۱۶ ۱۲۱۷
۱۲۱۸ ۱۲۱۹
۱۲۲۰ ۱۲۲۱
۱۲۲۲ ۱۲۲۳
۱۲۲۴ ۱۲۲۵
۱۲۲۶ ۱۲۲۷
۱۲۲۸ ۱۲۲۹
۱۲۳۰ ۱۲۳۱
۱۲۳۲ ۱۲۳۳
۱۲۳۴ ۱۲۳۵
۱۲۳۶ ۱۲۳۷
۱۲۳۸ ۱۲۳۹
۱۲۴۰ ۱۲۴۱
۱۲۴۲ ۱۲۴۳
۱۲۴۴ ۱۲۴۵
۱۲۴۶ ۱۲۴۷
۱۲۴۸ ۱۲۴۹
۱۲۵۰ ۱۲۵۱
۱۲۵۲ ۱۲۵۳
۱۲۵۴ ۱۲۵۵
۱۲۵۶ ۱۲۵۷
۱۲۵۸ ۱۲۵۹
۱۲۶۰ ۱۲۶۱
۱۲۶۲ ۱۲۶۳
۱۲۶۴ ۱۲۶۵
۱۲۶۶ ۱۲۶۷
۱۲۶۸ ۱۲۶۹
۱۲۷۰ ۱۲۷۱
۱۲۷۲ ۱۲۷۳
۱۲۷۴ ۱۲۷۵
۱۲۷۶ ۱۲۷۷
۱۲۷۸ ۱۲۷۹
۱۲۸۰ ۱۲۸۱
۱۲۸۲ ۱۲۸۳
۱۲۸۴ ۱۲۸۵
۱۲۸۶ ۱۲۸۷
۱۲۸۸ ۱۲۸۹
۱۲۹۰ ۱۲۹۱
۱۲۹۲ ۱۲۹۳
۱۲۹۴ ۱۲۹۵
۱۲۹۶ ۱۲۹۷
۱۲۹۸ ۱۲۹۹
۱۳۰۰ ۱۳۰۱
۱۳۰۲ ۱۳۰۳
۱۳۰۴ ۱۳۰۵
۱۳۰۶ ۱۳۰۷
۱۳۰۸ ۱۳۰۹
۱۳۱۰ ۱۳۱۱
۱۳۱۲ ۱۳۱۳
۱۳۱۴ ۱۳۱۵
۱۳۱۶ ۱۳۱۷
۱۳۱۸ ۱۳۱۹
۱۳۲۰ ۱۳۲۱
۱۳۲۲ ۱۳۲۳
۱۳۲۴ ۱۳۲۵
۱۳۲۶ ۱۳۲۷
۱۳۲۸ ۱۳۲۹
۱۳۳۰ ۱۳۳۱
۱۳۳۲ ۱۳۳۳
۱۳۳۴ ۱۳۳۵
۱۳۳۶ ۱۳۳۷
۱۳۳۸ ۱۳۳۹
۱۳۴۰ ۱۳۴۱
۱۳۴۲ ۱۳۴۳
۱۳۴۴ ۱۳۴۵
۱۳۴۶ ۱۳۴۷
۱۳۴۸ ۱۳۴۹
۱۳۵۰ ۱۳۵۱
۱۳۵۲ ۱۳۵۳
۱۳۵۴ ۱۳۵۵
۱۳۵۶ ۱۳۵۷
۱۳۵۸ ۱۳۵۹
۱۳۶۰ ۱۳۶۱
۱۳۶۲ ۱۳۶۳
۱۳۶۴ ۱۳۶۵
۱۳۶۶ ۱۳۶۷
۱۳۶۸ ۱۳۶۹
۱۳۷۰ ۱۳۷۱
۱۳۷۲ ۱۳۷۳
۱۳۷۴ ۱۳۷۵
۱۳۷۶ ۱۳۷۷
۱۳۷۸ ۱۳۷۹
۱۳۸۰ ۱۳۸۱
۱۳۸۲ ۱۳۸۳
۱۳۸۴ ۱۳۸۵
۱۳۸۶ ۱۳۸۷
۱۳۸۸ ۱۳۸۹
۱۳۹۰ ۱۳۹۱
۱۳۹۲ ۱۳۹۳
۱۳۹۴ ۱۳۹۵
۱۳۹۶ ۱۳۹۷
۱۳۹۸ ۱۳۹۹
۱۴۰۰ ۱۴۰۱
۱۴۰۲ ۱۴۰۳
۱۴۰۴ ۱۴۰۵
۱۴۰۶ ۱۴۰۷
۱۴۰۸ ۱۴۰۹
۱۴۱۰ ۱۴۱۱
۱۴۱۲ ۱۴۱۳
۱۴۱۴ ۱۴۱۵
۱۴۱۶ ۱۴۱۷
۱۴۱۸ ۱۴۱۹
۱۴۲۰ ۱۴۲۱
۱۴۲۲ ۱۴۲۳
۱۴۲۴ ۱۴۲۵
۱۴۲۶ ۱۴۲۷
۱۴۲۸ ۱۴۲۹
۱۴۳۰ ۱۴۳۱
۱۴۳۲ ۱۴۳۳
۱۴۳۴ ۱۴۳۵
۱۴۳۶ ۱۴۳۷
۱۴۳۸ ۱۴۳۹
۱۴۴۰ ۱۴۴۱
۱۴۴۲ ۱۴۴۳
۱۴۴۴ ۱۴۴۵
۱۴۴۶ ۱۴۴۷
۱۴۴۸ ۱۴۴۹
۱۴۵۰ ۱۴۵۱
۱۴۵۲ ۱۴۵۳
۱۴۵۴ ۱۴۵۵
۱۴۵۶ ۱۴۵۷
۱۴۵۸ ۱۴۵۹
۱۴۶۰ ۱۴۶۱
۱۴۶۲ ۱۴۶۳
۱۴۶۴ ۱۴۶۵
۱۴۶۶ ۱۴۶۷
۱۴۶۸ ۱۴۶۹
۱۴۷۰ ۱۴۷۱
۱۴۷۲ ۱۴۷۳
۱۴۷۴ ۱۴۷۵
۱۴۷۶ ۱۴۷۷
۱۴۷۸ ۱۴۷۹
۱۴۸۰ ۱۴۸۱

علیہ وسلم بیٹھا۔ نے فرمایا کہ اپنی چھڑی ہٹا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

(الہدایۃ ص ۱۹۱)

عید کلم کو اس جگہ کا ہر پتہ پتہ دیا ہے۔

کیا حضرت حسینؑ کے چہرہ مبارک کو چھڑی سے جو کا لٹا قتل حسینؑ نے ٹھوکی اور نارضائی کی دلیل ہو گی ؟ اور آیا یہ گستاخانہ ذبیحہ اور تحقیر آمیز روایت وہ شخص اختیار کر سکتا ہے۔ جو اس قتل سے ناخوش ہو یا نہ کرے گا جو دن میں انتہائی خوشی کے یذبات لئے ہوئے ہو۔

بلاشبہ یہ یہ کہ حضرت حسینؑ رضی اللہ عنہ کے چہرہ مبارک سے یہ تحقیر آمیز روایت ایک شخص کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ کسی طرح بھی اس قتل سے بڑید کی ناخوشی کا اثر نہیں بن سکتا بلکہ رضا کی کسی علامت ہے۔ اس لئے قسطلانی کی روایت اور نقض زانی کا قول جو اوپر نقل کیا گیا ہے اس روایت سے کافی مضبوط ہو جاتا ہے کہ یہ یہ قتل حسینؑ سے راضی اور خوش تھا۔

حافظ ابن کثیر نے یہ فی سیر کرتے ہوئے کہ حضرت حسینؑ کا سر یزید کے پاس لے جاتے کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے ترجیح مسک کے لیجائے جانے کو دیا ہے اور پھر بطور استشہاد ابو حنیفہ و ابن ابی الدنیا کی روایتیں پیش کی ہیں جنکو ملا جرج قبول کیا ہے ان میں سے ہم نے ابن ابی الدنیا کی روایت ابن کثیر سے پیش کی ہے۔ گو عباسی صاحب نے تو سر سے حضرت حسینؑ کے سر کو قن سے ہٹا کے ہاتھ ہی کاٹ کر دیا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ ان کا سر مبارک ابن زیاد کے پاس بھی نہیں آیا چھ جائے کہ یزید کے پاس بیجا ہوتا اور اسے دیکھ کر اسے خوش ہوئی تو یہ آئی جس کو ابن ابی الدنیا کی روایت سے ابھی پیش کیا گیا چنانچہ وہ کر بلا کے

موت کے متعلق فرماتے ہیں۔

کہ کوئی باقاعدہ جنگ ہوئی نہ مفتوحین کے سرجم سے جدا ہوئے نہ ان کی تشہیر کی گئی۔ وہ ایک ملوث محاذ پر بیکار و پیش آ گیا۔ اور گھنٹے آؤ گھنٹے میں ختم ہو کر فریقین کے مفتوحین کو نامہ جنازہ پڑھ کر دفن کر دیا گیا تھا۔ (ملفوظ معاویہ و یزید ص ۲۴)

مگر ہم ان کے تاریخی قیاسات کو صحیح بخاری کے مقابلہ پر کوئی اہمیت نہیں دے سکتے بخاری کی واضح روایت یہ ہے کہ۔

حدیث محمد بن الحسین بن احمد	ہیں کیا ہے محمد بن حسین بن علی
ثنا اس بن سائب قال اقی عید للہ	نے کہا ہے میں کیا اشی بن مالک نے ابو
بن زیاد ہراس حسین فجعل فی	نے کہا کہ عید نہ ابن زیاد کے ہاں عورت
طست فجعل یتکت وقال فی حستہ	حسین کا سر لایا گیا۔ سچے ایک منہ پر
شیئا فقال انس کان اشہد برسول	گیا تو اسی نے اسی سر کو جس کے دنیا (تھو گن)
اللہ صل اللہ علیہ وسلم کاد	شروع کیا اور اسی کے حسن و جمال کے بارے
محضو ما یوسف (بخاری ص ۲۴)	ہم کچھ کہہ

تو ابن انس بن مالک نے فرمایا کہ حسین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت زیادہ مشابہ تھے۔

اوسہ علامہ بدر الدین عینی شرح بخاری نے مسند بخاری سے اسیر سے جملہ اور افتاد کیا ہے۔

وزاد المعز ان من وجہ اخر من النبی	اور قید نے اللہ پاک کو سب سے طریقہ سے حقیت اس
قال فقلت لہ انی ہا ایت رسول اللہ	تو یہ عید اور نہ ان وقت کی ہے کہ میں نے اسی
صلی اللہ علیہ وسلم یشہد حیت یقر	اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ اسی جگہ کو چمکتے

تخصیص (یعنی شرعاً باری تعالیٰ) نے جس جگہ یہ تیری چھڑی لگی ہے۔

حافظ ابن حجر نے بخاری کی اس روایت کی مزید تفصیل بیان کرتے ہوئے طبرانی کی روایت سے یہ واقعہ بھی نقل کیا ہے۔

وہ مطروقی من حدیث زید بن

رقم جعل یحسد تخصیصاً فی

فی عین و الف فقتلہ فی قصر قیس

لقد رایت فیہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم فی موضعہ و لہ من وجہ

آخر من انس نحو (لقد باری ص)

یعنی نے اس موقع کی کچھ اور تفصیلات بھی ذکر کی ہیں کہ جب زید بن رقم حبشیہ السدین

زیاد کو چھڑی سے حضرت جبریلؑ کو ٹھونکنے پر ڈانٹ چکے تو رخصت ہو گئے۔

لقد اضطررت لشیخ سنی و غلام

ابن نہیاد ابی اللہ عینیك قوائد

ولا انت شیخ قد خربت فذہب

عظمت لظویت حقیق فنام وخرج

فجمع لہ اس یقوون و اللہ لقد

قد زید بن رقم قوا و سمعہ ابن

زیاد لقتلہ حقیق ما لہ فی قولہ

مزید و هو بقولہ شہید ہفت

تو زید بن رقم اسے لگے تو ابن نہیاد اسے کہنا

تیرا شیخ سنی و غلام ابی اللہ عینیك قوائد

نہیاد ہوتا جو شیخ کی جگہ خراب تیرا، کی گئی تو

عظمت لظویت حقیق فنام وخرج

پھر زید بن رقم نے اسے کہا کہ اللہ لقد

قد زید بن رقم قوا و سمعہ ابن

زیاد لقتلہ حقیق ما لہ فی قولہ

مزید و هو بقولہ شہید ہفت

پر کر دے چھ چادر کہا جاتا ہے اور اس میں اور
 سونے و سولہ میں ڈھائی لاکھ کا فعل ہے اور اس کا
 یہ ہوا کہ مختار بن ابی بکر شہسوار نے اسے اپنے
 سے جنگ کی خبر کے لئے بھیجا وہ حب بن زیاد
 قتل ہو گیا تو اس کا سر و اس کے ماتھے کے
 مڑنے گئے اور سوار کے ماتھے کو اس سے گئے
 تو یہ پتہ صاحب یا جو بن سحر بن بکر
 میں گھسوا اور تھپاٹ کر بن مراد بن زیاد
 کے سر میں گھسا اور اس کے ناک کے ٹھنڈے
 نکلے اور پھر ناک کے ٹھنڈے میں گھسا اور منہ
 نکلے اور سونے کو سارے بن سحر میں سے
 مرنے اور زیاد کے سر میں گھسے اور نکلے
 پھر بن سحر بن زیاد اور اس کے ساتھیوں کے
 سر میں کو عمر بن العقیقہ اور کہا گیا کہ عبد اللہ بن
 زید کے پاس بھیجے تو وہ مدینہ میں منکسہ گئے
 اور ابی بکر شہسوار نے ابن زید کی کشتی اور پانی
 کی لاشوں کو چھو دیا۔

اشتر ورم السبت لثمان بقین من
 ذی الحجة سنة ست وستین علی
 رضی اللہ عنہما انما انما ریحیہا و ب ی ی
 الوصل بحصة فیو سنة وکان محمد
 بن ابی عبیدة السعفی ارسلہ فلی
 ابن زیاد و لما تل ابن زید و جی بکر
 و برؤس احماس و طرحت بین
 یدای المختار و جادت حیتہ دقہ
 تخللت الوؤس حتی دخلت فی فمہ
 بن مرہبان و هو ی بنیاد و خربت
 من ملخدرہ و خربت من لہ و
 جعلت تدخل و تخرج من لہ و
 مین الوؤس ثمان المختار و
 برؤس ابن زید و برؤس اندین
 قتلوا معہ الی محمد بن الحنفیہ و
 نزل فی عبد اللہ بن الزبیر و صبا
 مکرہ و احرق ابن الاشتر و جت ابن
 نہاد و جت ابی بکر (بہی ۱۴۵)

بھی واقعہ حافظ ابن کثیر نے بھی ترمذی کی روایت سے ذکر کیا ہے جس میں ابن زیاد

اور اس کے ساتھیوں کے سڑن کا مسجد میں رعبہ میں رکھا جاتا اور سانپ کا ہمارا
 آگاہ اور لوگوں کا سے غائب ہو کر آئے دیکھ کر پندنا کر وہ آیا وہ آیا اور اس
 کا سامنے سڑن میں سے صرف این نر و ہی کے سر کو متنبہ کر کے اس کے تفتوں میں
 گھستا اور منہ سے نکلتا منہ میں گھسنا اور تفتوں سے نکلتا اور دو یا تین برابریا ہی
 جونا بالافعیل نقل کیا ہے جو اہل ہادیہ والہا یہ کہے ہیں^{۱۹} یہ مذکور ہے جسے ترمذی
 نے حسن صریح کہا ہے یہ در حقیقت چاہو کہہ راہ و حد پیش کی کھلی ہوئی مثال
 ہے یعنی اگر اس نے سین کے سر کی بے حرمتی لہٹی پھڑکتی ہے کی تو خدا نے اس کے
 سر کی بے حرمتی اس جافہ کے ذریعہ کر لی جو جس حدیث قبوں میں محدثین پر
 مسلط کیا جاتا ہے بندوں کی بے حرمتی سے خدا کا کسی کی بے حرمتی فرمانا کہیں
 زیادہ اشد ہے۔ العیاذ باللہ العلی العظیم۔

ابہر حال حضرت حسین کے سر کو پشت میں ابن زیاد کے سامنے لائے جہتے
 ابن زیاد کے اس کی بے حرمتی کہنے اور اپنے زیادتی خبیث کو نمایاں کرنے
 کی یہ تعصبات بن کو محمد بن کعبہ بن ہذیل، بزاز، طرانی، ابن حجر عسقلانی، ابودریس
 عینی نے محدثانہ طریق سے پیش کیا۔ اس بن مالک اور زید بن ارقم جیسے جلیل
 القدر صحابہ سے روایت کیا۔ تو کیا یہ حضرت حسین کے سر کو حق سے خدا کے جانے
 کئے کئے کئے دلائل نہیں ہیں اور ان کے مقابلہ میں کیا چند سہولتی ٹکڑے اور قہر
 مستشرقین پورپ کی اعانت سے وراں سے انڈا کر دہ اقتباسات کسی بھی وقعت
 و اہمیت دینے کے مستحق ہیں؟

اب جبکہ حضرت حسین کے ہاک اور مقبول عند اللہ سر کو جسم سے جدا کئے جاتے

کا ثبوت معاً مقواتر ثابت ہوتا ہے۔ تو پھر یہ کیوں ممکن نہیں کہ یہ سریزید کے دربار میں بھی نہ پایا گیا ہو۔ آخر اس واقعہ کی روایت سے کیا وجہ الہام کی ہو سکتی ہے، بلکہ قیسم انگیز تو یہ ہونا چاہیے تھا کہ ابن مرزبان اپنے اپنے بڑے ہم کار نامہ کو یزید کے سامنے عمل پیش نہ کرتا اور اس سر کو یزید کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے اسکے دربار میں نہ بھیجتا، جس کا حاصل کرنا اسے ابن زیاد ہی کے لظاہر و خاسی کے بغیر مشکل تھا۔ لیکن حافظ ابن کثیر کی پیش کردہ روایت جو انہوں نے بن ابی الدنیا سے نقل کی ہے اور جس کا متن سفور ہلا میں ابھی ہم نے پیش کیا ہے۔ کوئی وجہ نہیں کہ اسے قبول کیا جائے جبکہ روایت تو ابن کثیر کی نقل ہو جس پر انہوں نے کوئی حرج نہیں کیا اور دریا مغل سلیم کے مطابق بھی جو کہ ابن مرزبان کا اپنا اثنا بڑا ہم کار نامہ جسے یزید بظاہر سیب سنت مشکل اور دستوار سمجھ رہا تھا اس کے آگے پیش کر دینا وقت اور دستور کے عین مطابق تھا۔ اور ساتھ ہی اس سے شور و مباحثات حدیث کی آئی، ہم اور متعدد روایتیں ہوں تو کوئی وجہ اس سے انکار کی نہیں ہو سکتی۔

اس لئے یہ حضرت حسینؑ کا سر قلم کرنا اور خوش ہوا جو اس کے دل کی کیفیت تھی کہ جس رقیب سے ملک کے زلوں کا اندیشہ تھا وہ ختم ہو گیا لیکن پھر فوراً ہی اس خوشی پر نادم بھی ہوا۔

۱۔ قتل بن زیاد و عمار و عتبات	۲۔ اختراذہ میں ریحان کے ہاتھوں کے
۳۔ دستگیری یزید و سر قلم	۴۔ زور اور ان کے سر پر کمریاں بھیجنا
۵۔ ولادت بنان مغربہ ابن زیاد	۶۔ شہر خوش ہوا و سر کی وجہ سے یزید کا
۷۔ نہر لحد طبعی لا قبیلہ	۸۔ زور و سر کی وجہ سے یزید کا

مقام اہل البیت علیہ السلام

تھوڑے دیر میں آگ لگ کر تلام آگ

یہ فری زلمت اسی قاتل حسین ابن مرثدہ کو برا بھلا کہنے لگوں پر نصرت کرنے کی صورت میں ظاہر ہوئی جس کی وجہ اس نے خود ہی ظاہر کر دی۔

قتلہ یعل بل بنی علیہ و قتلہ فیضی
قتلہ الی المسلمین و سرع قلوبہم
العداۃ فانہن فی الدبر و الفاجر
یسا استغفر الناس من قتل حسینا
مالی و الامین و جانیہ قتلہ اللہ و
خضبت اللہ علیہ البینا یہ علیہ السلام

ایک مرتبہ نہ دھڑکنے دیں جو حسین پائے
تھے کہ یہ ہیں آؤ دھڑک دیا ہے کہ جو ہیں جانے
چھ مائیں و آئیں سرحدات کی طرف جانے دیا تھا
کہ جہاد میں لڑی مبر کر پنا، نہیں پر جس کے پاس
بائے دیا جانے کہ وہ غور اس سے معاملہ لے گیا
بلکہ گھیر لیا کہ ابھی مقتول ہونے پر مجبور کر دیا

قتل کر دیا، اس سے ابن مرثدہ نے مجھے سنا ہے کہ وہ لوں میں مقبوض بناویں اور سنہ نوں کے
دہوں میں میری طرف سے نہ دھڑکے پچھو دیا۔ میں سے ہر ایک نہ مجھ سے دولت رکھے ٹھاکر
حسین کو میرا قتل کر ڈالنا لوگوں کے دلوں پر شاق اور بھاری گزرتا تھا۔ مجھے اس کیفیت
ابن مرثدہ سے کیا واسطہ تھا، اس کا بڑا کر کے اور اس پر خدا کا غضب نازل ہوا۔

اس سے واضح ہے کہ یہ یہ حقیقتاً قتل حسین سے خوش تھا کہ رقیب باقی نہ رہا۔
اسی لئے، ابن مرثدہ قاتل کا تہہ اپنے پیاس بلند کیا، لیکن یہ خوشی ویر پاشیت نہ ہوئی فوراً
ہی نام و شرمندہ اور نہید ہو گیا، لیکن قتل حسین پر نہیں بلکہ اپنی رسولی کے خطرات
پر جو قیامت تک اس کے صحنہ میں آئے والی تھی اور آتی۔ اس لئے یہ کہنا کہ یہ یہ
قتل حسین سے راضی نہ تھا خود نیکو یہی کے خشا کے خلاف ہے۔ اس کی خوشی اور
چیز کو تھی اور ناخوشی اور چیز پر۔ اگر قتل حسین سے رضا و خوشی نہ تھی تو باول اسلام

ہے ساحت اس کی زبان سے وہ لفظ نکلتے جو آخر میں سوچ کچھ کراؤں نے اپنی
رسوائی کے خیال سے نکالے لیکن اول دھڑ میں دسویں غول ہی ہوا بلکہ قابل میں
ان دیوار کا رہا ہی اس کے یہاں بلند ہو گیا کہ جس قتل کو وہ بھاری لودہ ناگھن سا
کچھ رہا تھا بن زیادہ اسے آسانی کر دیا۔

پھر اگر قتل حسین پر یہ غم واقعی تھا تو رین دیوار کو محض زبان سے ٹکوا اور مضروب
خلافی کہ کچھ اپنا مضروب بھی تو رہتا اور اس ظالم قاتل کو کوئی سزا تو دیتا۔

مرد دل کو دیتا یکم سے کم اس سے باریکس ہی کرتا لیکن مقبول مافظ اب کثیر کے۔

دندان این زیادہ ملی قتل و شقہ

فی ما یظہر و یبداء و لکی لہ فیزل

معدن ذلک ولا احقہ دلا ارسے

احد ایحب علیہ ذلک اللہ اعلم

(البدایہ والنہایہ ص ۳۲)

کیا اللہ ہی کسی کو بھیج دے کہ وہ اس کی طرف سے

بکرا سکا یہ شریک کہ جب اسے جٹائے تو قاتل رہے

گویا یہ ایک جنگ زدگری تھی۔ حور اس قتل پر دل سے ناخوش ہوئی اس کے یہ

اموار نہیں جوتے جو یہ دیکھے دکھائے لہذا وہ بھی شخصی حکومت کے نظام میں جبکہ ایک

جنیش قمر آدمی سب کچھ کر سکتا ہو۔ این زیادہ میں تو یہ یہ کا ملازم جوتے جس کے یہ

طافے ہو کہ قتل حسین پر انکار غزو مست کرتے وقت جب اسے حضرت عبداللہ بن

عقیف اللہ کا ٹوکیں تو انہیں پھانسی دوانے (بدایہ ص ۱۹) لہذا یہ یہ کو مطلق اللہ

امیر تھے جس کے یہ جرات ہو کہ ابن زیاد سے بحالیت قاتل حسین جوتے کے کوئی

مواخذہ ہی کہے۔ چھاتی چھوڑ کر کوئی تعزیر ہی دیدے ظاہر ہے کہ ایسے قدر آور آدمی سے یہ بے زوری مجرم کے سبب سے نہیں ہو سکتی بجز اس کے کہ قتل حسین کا کام اپنا ہی تھا جس پر رضا تو فکری تھی مگر بے شک یہ یا دیشہ طاقت فہم زبانی تھا بعض لوگوں نے یہ کہا کہ نیک کی تبری کی ہے کہ قتل حسین میں اس کا ہمارا کرم ہے کم استہشار (خوش ہونا) شامل نہ تھا اس لئے وہ اس فسق کے الزام سے بری ہے لیکن اس مجرم کا پول جان لے اس کی نظر اس کی نظر سے کھول دیا ہے کہ :-

فاما قتل الحسين فامسكا قال جده - ثم لقي عينا كاسا وكرهه كالم اس في مثل ذلك
الصلبان يوم احد كرهها وبنها - سرور یہاں ہے ہیکر چمکے دایہ کا سارہ ہیکر
ولہو وچہ (البدیہ والنبایہ) - اہم یہ دیکھو گے ساتھ تھا کہ کھانا کھانے کے لگ

کان و غیر کائنات ہے تھی تو اس نے گل اس کا سر شہید کیا تھا تو وہ اس فعل فہم سے

انور بھی نہ تھا جس سے یہ دیکھا ہے کہ بڑا قتل حسین سے ہرگز خوش نہ تھا،

معرض اس کے جوہر کی شہرت خواہ اس امام اور اس کی صغیریت عواما مقرب ہیں

بیشی ہوئی تھی حتیٰ کہ خود پر یہ کو بھی اس کا احساس تھا۔ ہی لئے اس نے اپنی

قیامت تک کی رسوائی پر اپنی زیادہ لعنت بھیجی جو سیاسی لعنت تھی جیسا کہ واضح ہوا۔

اس احوال کے جوتے جوتے جبکہ سلاطین مسلمان اور اجداد صاب کے ساتھ یہ تو اپنی

و قتل اور قتل کی دیناؤں پر خوشنودیوں کے یہ معاملات ایک سرگرم کی سرگرمی میں اور خود

اس سرگرمی کے اقصیوں نمایاں ہو رہے ہیں تو اسے عمر ثانی کہیں گے یا فاسق و فاجر؟

اور اس کی اس بدنگام پائل کی کو دشمنوں کی پادشاهی کہا جائے گا یا سفیہ الاسلام

سیدان اور باطلیوں کی پائل کہا جائے گا۔ جگر میں تو سمجھتا ہوں کہ خود جیسا

صاحب کے اپنے اقرار سے بھی یزید کا فتنی واقعہ ہے خواہ وہ ان کی مرضی کی خلاف
ہی کیوں نہ ہو کیونکہ انہیں یزید کی نکتہ چینیوں کا اعتراف ہے۔ جو امام حسین پر اس
کی طرف سے کی جاتی تھیں۔ جو اسی صاحب فرماتے ہیں۔

امیر یزید کو حضرت حسین کے حادثہ کا سہمہ و قسط تھا۔ ابو حنیفہ مؤرخ و
راویوں تک نے لکھا ہے کہ اس حادثہ کی خبر سننے ہی کے بعد جب اب
اور انھوں میں آنسو بھر لائے۔ گرفتاری تعلقات کے علاوہ حکومت اور
پبلک امور کا جہاں تک تعلق ان کے خردی سے تھا اس پر لکھتے چینی یہ کہ جاتی
تھی۔ (خلافت معاویہ و یزید ص ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲)

گو عباسی صاحب نے ان نکتہ چینیوں کو پبلک امور سے متعلق ظاہر کر کے
یزید کی اس برائی پر پردہ ڈال دیا ہے لیکن اس احتیاز ہی سے یزید کا یہ جرم
مضبوط تر نمایاں ہو رہا ہے کیونکہ اگر یہ نکتہ چینی ذاتی تعلقات کی بنا پر جرتی تو ایک
گویہ قربات کے لحاظ سے کسی حد تک گنہگار بھی کہتی تھی کہ اسے بے تعلقی کے رابطہ
پر محمول کر لیا جائے لیکن پبلک امور پر نکتہ چینی بلاشبہ الزامِ خیانت کے ہم معنی ہے
کیونکہ اس خروج کے معنی عباسی صاحب کی تعریفات کے مطابق یزید کے نزدیک
بدعہد ہی اور جہد شکنی و رنڈوت کے تھے۔ چنانچہ انہوں نے اپنی کتاب زیر بحث
پر یزید کا قلمرہ اشعار نقل کیا ہے اس کے تیسرے شعر کی طرف خصوصیت سے توجہ
دلائی ہے اور اس کا ماحصل یہی نکلتا ہے کہ یزید نے حضرت حسین کو ان کا عہد یاد
دلا کر جو اس کے نزدیک انہوں نے صحنِ حرم میں کھڑے ہو کر کیا تھا تنبیہ کیا جس کے
تاج آپ اسے توڑ رہے ہیں اور عہد شکنی کا ارتکاب کر رہے ہیں جس سے واضح ہے کہ

خروج کے معنی جس پر یہ نکتہ چینی کرتا تھا اسکے نزدیک جہاد ہی و عہد شکنی کے تھے۔
 ادھر عباسی صاحب نے بھی فوری کے مندر سے بولتے ہوئے اس خروج کے
 معنی اسی عہد شکنی اور بغاوت کیلئے ہیں کہ ان (حسین) کے جمعہ میں اکثر پیشتر
 انہیں ایک دوسری نظر میں دیکھتے تھے وہ انہیں عہد شکنی اور بغاوت کا قصور وار
 خیال کرتے تھے رخصت معاویہ و یزید میں تو حاصل یہ نکلا کہ عباسی صاحب کے دعویٰ
 و اعتراف کے مطابق یزید حضرت حسین پر پہلے امور میں الزام بغاوت اور جرم باطلہ
 و عہد شکنی کا لگایا کرتا تھا۔ جو بلاشبہ الزام خیانت کے مترادف ہے اور وہ فانی و
 شخصی خیانت سے کہیں نہ بدو و شنیع اور ناپاک تر خیانت ہے۔ تو کیا ایک سبیل لقا
 صاحب رایت اور اہل بیت صحابی پر ایسے ناپاک الزام لگانا زیادہ کی جبری ہے
 یا اس کے فتن پر مہر لگانا ہے جو عباسی صاحب کے قرار اور ان کی عبارت
 سے لگ جاتی ہے۔

فق تو فسق بعض ائمہ کے یہاں تو یزید کی تکفیر تک کا مسئلہ بھی زیر بحث آ
 گیا یعنی جن کو اس کے قلبی دواغی اور اندرونی جذبات کھینے پر ان کی اطلاع ہوئی
 تو انہوں نے اس پر کفر تک کا حکم دیا۔ گو یہ مجبور کا مسلک نہیں لیکن اس سے کم از کم
 اس کے فسق کی تصدیق اور تاکید تو مندر ہو جاتی ہے۔

شرح حق اکبر میں محقق ابن ہمام حنفی نے بیان نقل کیا گیا ہے۔
 قال ابن ہمام و اختلاف فی کفر ہذا ہمام فرماتے ہیں یہ یزید کی تکفیر میں اختلاف ہے۔
 یزید۔ قبل نزعہ لعماد فی عنہ ما یزید ہے جس نے سے کافر کہا کیونکہ اس سے
 بدل علی کفرہ من تحلیل الخدم و من و د چیز بیوقوفی میں جو اس کے کفر و دلائل

تقوہ بعد قتل الحسینؑ اصحاب
 کرتے ہیں کہ اس منہ شریف کو ملان کجا اور قتل
 حسینؑ اور ان کے ساتھیوں کے قتل کے بعد اس نے
 منہ نکالا کہ میں نے (حسینؑ وغیرہ) پر ہرگز
 کیا ہے جو انہوں نے میرے پر ہرگز کیا ہے اور میرے
 ساتھ جو کیا ہے تمہارا ایسی ہی اور باتیں شاید
 چہرہ جیسے امام احمدی اسے کافر کہنے لگے
 (شور فک جہنم)
 یہ ایک بزدلی کی اس تقریر کی نقل ثابت ہوگی۔

اس سے واضح ہے کہ اختلاف اگر ہے تو بیزید کی تکفیر میں ہے قطعیت میں
 نہیں۔ اور امام احمد بن حنبل جبکہ بیزید کے کفر تک کے بھی قائل ہو گئے تو فسق کے
 تو بطریق اولیٰ قائل تسلیم کئے جائیں گے۔ اس لئے بیزید کے فسق پر اتفاق علماء
 کے ساتھ ایک امام مجتہد کی مہر بھی لگائی جاتی ہے۔

بیزید کا بچاؤ ذاتی اجتماعی اور مسئلہ کل فسق ہے جس سے اس کے مستحق
 لعنت ہونے کا مسئلہ ائمہ کے زیر بحث آیا اور ملہائے اسی پر قطعی حیثیت سے
 کالی بسوط اور مفصل کلام کیا۔ جس میں بیزید پر لعنت کرنے کا کرنے سے بحیثیت مسئلہ
 کوئی تعرض کرنا نہیں مآجہم یہ ضرور ہے کہ مستحق لعنت ائمہ قسم کا ناسق ہی ہو سکتا
 ہے۔ اس لئے یہ استحقاق لعنت کا مسئلہ درحقیقت بیزید کے فسق کی ایک مستقل دلیل
 ہے۔ پس بیزید سے جو ان کے دل کی جو آگے آرہے ہیں وہ لعنت کی ترغیب دینے کے
 لئے نہیں۔ بلکہ اس کے فسق کے اثبات کے سلسلہ میں ہیں۔

چنانچہ علامہ ابن حجر مکی عیثیٰ جو متاخرین شوافع اور شوافع کے مرجع مذاہب

علمائیں سے ہیں۔ فرماتے ہیں۔

وبعد: ثقا قہر علیٰ فسطح اختلاف
اور پوچھتے فسق پر شفق ہوا غصہ کے بعد اختلاف
فی جو امر لغت: مخصوص اسباب فلجائز
جو ہے اس پر نام لیکر لکھنے کرنے میں بدلنے
قوم متاخر بنالوجوی و نقلہ عن
اسے جائز رکھتے ہیں میں جزی میں اور ہر
احمد وغیرہ کتاب الموحی: نمبر ۱۳۱
نے یہ جواز امام محمد سے نقل کیا ہے۔

اس عبارت سے یزید کا فسق متفق علیہ جو جاتا ہے لہذا نام لیکر لکھنے
میں علمائے مختلف رائے ہیں بعض جواز کے قائل ہیں اور بعض نہیں۔

مؤرخین میں سے قزاقی مورخین حافظ علاء الدین ابن ابی کثیر جو عباسی مساب
کے بیان بھی قابل اعتبار مؤرخ ہیں گو منصور بول کے خلاف ان کے اقوال سامنے آنے
پر ممکن ہے کہ وہ اعتبار بحال قائم ہے۔ اس بار میں حسب ذیل بیان ہے کہ ہیں۔
واستدل بهذا الحديث و مثاله
اور جو کہ یہ یہ پست کر کے کہ جواز ہے
من ذهب إلى الترخيص في لغة يزيد
انہوں نے اس حدیث (جواز ہے) اور اس حدیث
یہ معاذیہ و ہرم آیت من احمد بن
اور قیادت سے متعلق کیا ہے اللہ عز و جل
حنبل اختیار کیا الخلال ما ہو بکرم عبد
سیاہ ہرم بن سہی سے ہے علیٰ ہر کہ عبد العزیز
واقاصی پرمین واجتہاد نقاضی
کا حق ہو علیٰ اور کہے جیسے جاسی الحسین عتید
ابو الحسین و انتمو لکنث ابو الفرج
کیا ہے اور اس کی دوسرے ہر ظہر بن جوزی
ابن الجوزی فی مصنف مصر و ہر
ایک متفق تصنیف کی ہر اس میں پوچھ پر حدیث
خوش (ابو الفرج) (ابو الفرج) (ابو الفرج)
کا جواز ثابت کیا۔

بہر حال لغت کے مسئلہ سے یزید کے فسق پر کافی گہری روشنی پڑتی ہے جو ان

دون التلوخ و کیف لا یكون كذلك
وهو المنعین بالفتور والاعب
بالنور و من من الحمد و من شعرة
فی الحمد اقول بحکمہ علیہ السلام
شیخنا و داعی صباہات النور
میرزا نور علی و اجتہاد من نعمہ
فکل وان طلل المدی یتصفا و کتب
فصل صلیا افوضنا عن ذکوة قدر
قلب لورقة و کتب و لومذت یباجز
لا اناقتنا لسان و بسطت الکلام فی
مخانی هذا الرجل انتمی -

رحیقہ الخیرات ص ۱۹۶-۱۹۵

یہ تلوخ کے ساتھ وہ ہاؤس کے نزدیک ایک ایک
ہے سنی تصدیق کہ تلوخ دینی صلاحت منعت بالان
اور کچھ دوسرے جگہ پر یہ کہ کیفیت یہ تھی کہ وہ بیڑی
کے نوک پر بیٹھ رہتا اور روئے کھینچا اور ترسنا
کرتا۔ چنانچہ اس کے اشارے سے کہ میرا بیڑی
سے کہتا چلا جاں چلتا کو دور باہر شرب نے
بیڑی کو دیا ہے اور حشر کی گریباں ترس کی اور
سے پکار رہی ہیں کہ چلے تمہیں اور لہو کے
حشر کو حاصل کرو کیونکہ ہر انسان قسم جو دیا
الرحمہ اسی کی عمر کنسی ہی طویل کیوں دہرا ہذا
وقتے شوشا سے جو پیش کر رہے کہ نور پھر زندگی
بہتر دے گی۔ بار۔ حشر خوشی کو حشر و ہر ہمت

اور اس پر ظہار ہی فقیر نے ایک لمبی فصل لکھی ہے جسے طویل کی وجہ سے مجھے بھڑکا دیا ہے

پھر انہوں نے ایک ورق لکھا اور لکھا کہ اگر اس فرق میں کچھ نور بھی لگے تو اس حشر کے قتل
کلم کا باگ ڈور لے کر دیتا اور ہی شخص دیکھ کر حشر میں کافی تفصیل سے لکھا۔

اس عبارت سے فرق مجتہدین کا مسلک واضح ہو جاتا ہے کہ یہ سب حضرت یزید

کے فرق کے قائل تھے اس لئے لغت کا مسدود یہ خود آیا۔ حتی کہ امام احمد بن حنبل
نے تو قرآن پیش کر کے کہا کہ اللہ نے پھر کتاب میں لکھیں یزید پر لغت یہ بھی ہے۔

شہر علی بن الجوزی عن الخاصی پھر ابن حنبل سے لکھا ابو یوسف سے دیکھا

[illegible]

(کتاب الاسواق) محرقہ نمبر ۱

[illegible]

پس اس سے بڑھ کر مجھے دنیا میں کوئی خدو و خدا نہیں کہ قتل ناحق کا ارتکاب کیا جائے ایسے ہی اس سے بڑھ کر کسی شخص کے لئے کوئی نقص و خیر بھی نہیں کہ وہ قاتل صحابی قتل ہو جائے۔ گو جہاں صاحب نے یزید تک پہنچ کر امام احمد کو چھوڑ دیا صرف، یہی حد تک ان کا دامن منجھا ہے۔ رہے جس حد تک ان کے ایک فریبہ قول سے امام حسین کے نابھ شہادت ہو جانے کی کچھ توقع تھی۔

چوتھے یہ کہ امام احمد بن حنبل نے تو قرآن کریم کی ایک چوتھی آیت ہی اس پر منطبق کر کے اگلے علوم سے جلالت قرآنی یزید کو مورد لعنت قرار دیا کیونکہ حکومت مل جانے کے بعد اسی نے ملک میں خرابی ڈالی قطع قرابت کے سلمان اپنے مسکن کے ذریعہ ہتھ کے اس لئے وہ چوری مسلہ بقت کے ساتھ اس آیت کا مصدق بنا گیا۔ اور آیت کے علوم نے اپنے عمومی اشارے سے ایسے علموں میں یزید کو بھی داخل کر دیا۔ یہ سب شہادتیں ہم نے اس لئے نہیں پیش کیں کہ ہمیں یزید پر لعنت کرنے سے کوئی خاص دلچسپی ہے۔ نہ ہم نے آج تک کبھی لعنت کی نہ آئندہ از دوست اور نہ ہی ان لعنت ثابت کرنے والے علم و فکر کا منشا یزید کی لعنت کو بطور وسیع کے پیش کرتا ہے۔ نہ کا منشا صرف یزید کو ان غیر معمولی ناشائستگیوں کی وجہ سے مستحق لعنت قرار دینا یا زیادہ سے زیادہ لعنت کا جواز ثابت کرنا ہے۔ لعنت کو واجب یثقلنا نہیں۔ اور ہر جیسے دوسرے ائمہ علم یزید پر لعنت کرنے اور یزید کو یزید جہاں جیسے ظالم پر مبنی کراہیں پر بھی لعنت کرنے کو پسند نہیں فرماتے جیسا کہ امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

لی لعن الاشخاص مخطوئہ علیہما نہ یوں پر لعنت کرنے کی ضرورت ہی نہ تھی۔

لا خطر فی السکوت عن ابلیس

اور لعنت سے پکارتے اور زاریاں مارتے ہیں

فمن لا عن غیور

وہ لوگ لعنت میں جھجھکتے ہیں کہ خود نہیں

(احیاء العلوم ص ۲۰)

پھر ہانکے گا کسی پر لعنت بھیجتے ہیں طرز پر

غلام یہ کہ جنہوں نے لعنت کا جواز ثابت کیا ہے وہ یزید پر لعنت کرنے کو

صلی علیہ وسلم قرار دیتے اور جنہوں نے لعنت سے انکار کیا ہے وہ ان کے اثبات جواز

کے منکر نہیں یعنی ایک فریق یزید کو مستحق لعنت بتلاتا ہے اور دوسرا مثل لعنت

کو پسند نہیں کرتا۔ اس لئے یزید پر لعنت سے بچنے والا کسی بھی فریق کا مخالف نہیں

کہا جاسکتا۔ یہی مسئلہ جماعتیہ کے ہونے ہیں۔ پھر بھی مثبتین لعنت کے

اقوال کی یہ پیش کش لوگوں کو یزید کی لعنت پر اکتانے کے لئے نہیں بلکہ صرف

یہ بتلانے کی ہے کہ اگر جہالت کے یہاں کسی کے بارے میں لعنت کا جواز بلکہ لعنت

کا سوال اٹھ جائے اس کے اچھے کردار کی دلیل نہیں ہو سکتا۔ بلکہ برکردار اور

فسق ہی کی دلیل ہو سکتا ہے۔ اس لئے یہ لعنت کے اقوال ان کے لئے ہی

ہر شبہ یزید کے فسق کی ایک مستقل دلیل اور مذلتی شہادت ہے۔ بلکہ اصول کے

مطابق بری اور پاک نہاد انسانوں کی جانوں سے کیلئے ان پر متعین

اٹھانا یا انہیں بغاوت جیسے جرائم سے متہم کرنا مباح الذم بنا دیا وغیرہ بلاشبہ

اقتیاری تفسیق ہے جو قدرتا تفسیق کردہ ہی پر لوٹ آتی ہے۔ جیسا کہ

نبی صلی علیہ وسلم نے بری انسان کی تکفیر بلا آخر اسی تکفیر کنندہ پاک کو ٹوٹا کرتی

ہے اس لئے یزید اپنے کردار سے لائق ثابت ہوتا ہی ہے۔ اقتیاری تفسیق کی

عملی صورت پیدا کر کے یزید فی فسق کا مورد بھی ٹھہرتا ہے۔

ہر حال یزید کا فسق و فجور اور بُری شہرت شروع ہی سے اس دور سے پر تھی کہ اگر کسی واقعہ سے کوئی اس کی مدح کا پہلو تلاش کر سکے نکال بھی لیتا تھا تو مبشر عمار غوراً اس کی تردید کے لئے کمر بستہ ہو جاتے تھے اور کوئی اس کی واقعی خوبی کو بھی سننے کے لئے تیار نہ ہوتا تھا بلکہ اس کے مقابلہ پر غوراً اس کی کمزوریوں گمنامی شروع کر دیتا تھا۔ یہ کوئی جذباتی یا سبب و دلیل اور ہم نہ تھا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ بعض ایک ہی سنیہ ساری حسنت کو مٹا ڈالتی ہے۔ کم کہ اسے بلی بات مانتے ہیں اور عند اللہ وہ بہت بخاری ہوتی ہے۔

تخصیبتہ ہیتاً دھو عند اللہ - تم اسے ہٹا کئے جو اور عند اللہ وہ بہت

جھانک رہا ہے۔

منظہر۔

بارگاہ نبوت میں ذرا سی ہے اوبادہ جند آزادی جگر ہے لکری کی جند باگی
جبر اکمال اور ضبط حسانت کا ذریعہ تھی۔

یا ایہا الذین آمنوا ترفعوا
امواکم فوق صوت النبی
ولا تقہموا والسا بالمتول حجہ
بعضکم لبعض ان تحبط اعمالکم
واشتد لا تشعرون۔
ایہ ایمان والو تم اپنی آواز پر پیغمبر کی آواز سے
جند مستد کیا کرو اور دعاؤں سے ایسے کھل کر نہ
کرو جیسے آپس میں ایک دوسرے سے کھل کر بولنا
کوئے نہ کبھی قبلت اعلان فرما دے جو باوجود
تم کو خبر بھی نہ ہو۔

پس جیسے کفر سرزد ہو جاتے پر کوئی نیکی کا رُخ نہ تھی اور عزائم توں پر
آل ہے ایسے ہی فسق کی بعض حرکتیں باجہ اولیٰ اور گستاخی کی بعض نوعیں سرزد ہو
جانتے پر نہ کوئی نیکی دار اُکھڑ رہتی ہے نہ ایمان اس کا قلعہ گوارہ کرتی ہیں اور نہ

ہی محبوبیت خداوندی رہتی ہے۔

میں تجوہ کو کیم درجہ زیر سکافات باؤد کشانی ہر کردار افتاد و بر افتاد
غرض یہ اصول ہے عقل بھی شرعی بھی اور طبیعی بھی۔ کوئی جذباتی بات نہیں
اسی میں یزید گرفتار ہوا۔ اس کے ایک ہی فسق و فساد حسین نے اس کی ساری خوبی
کو خاک میں ملا دیا۔ اور کوئی بھی اس جرم کے بعد اس کی کسی بھی بات سننے کا ہی
ملاوڑ نہ رہا۔

مہلبہ نے فتح قسطنطنیہ کے سلسلہ میں جیسے بارہ میں کچھ اچھے حکام ملے تھے۔
انہیں تھے تو علامہ عبد اللہ بن عینی شارح بخاری و مسند شیعہ نے یہ "حق سرائی"
لعل کیسے دیا اس کا رد بھی کر دیا اور اسکی اس "منقبت" کے بارہ میں فرمایا۔

قلت دای منقبت کانت ایومیل میں دینا، کہا کہ یزید کی منقبت کیا ہوئی
و حال مشہور۔

(مسند القاری ص ۱۴۱) کہ اس سے کثرت کیا تھے

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کے سامنے کسی نے یزید کو امیر المومنین کہہ دیا
تھا تو انہوں نے اسے بیس کوڑوں کی سزا دی (اعمالہ بہ تہذیب التہذیب ص ۳۳)

حالانکہ عمر بن عبد العزیز خود بھی بنی امیہ میں سے تھے، مگر حق پرست بنی امیہ
میں سے تھے مطلقاً بنی امیہ میں سے نہیں۔ اور حق پرست کی کھلی علامت یہ ہے
کہ خود نیک ہو کر نیک کو نیک کہے اور بد کو بد خواہ وہ بہت ہو یا پرایا اسی طرح
اگر کوئی مبصر عالم یزید کی کوئی اچھی غلطی محض بیانی واقعہ کے طور پر خود
بھی ذکر کرتا ہے مہلبہ کی طرح بنی امیہ کی حمایت پیش نظر نہ ہوتی تو خود اسی

اس کے تسمے کے طور پر اُس کے بُرے خصائل کا تذکرہ بھی ساتھ ہی کرتا کچھ ضروری سا سمجھتا تھا۔ حافظ ابن کثیر نے ابودینہ والنہایت میں یزید کی کچھ اچھی خصلتیں ذکر کیں جیسے کہ ہر شمس میں کوئی نہ کوئی خوبی بھی ہوتی ہی ہے تو ساتھ ہی اسے خصائل مذمومہ سے اپنے بیان کا تتمہ بھی کر دیا۔ فرمایا۔

وقد كان يزين فيه جمال محمود
من الكرم والخلق الصالحة والنعمة
الجميلة وحسن الراي في السنن
وكان فاجبال حسن المعاشرة و
كان فيه ايضا اقبال على السنن
وترون بعض الصلوات في بعض الاوقات
ولما شهد في فريب الاوقات
والابدية والنهاية منيرة

اور یہ پڑھیں بلاشبہ کچھ اچھے خصلتیں بھی تھیں جیسے
علم و کرم اور انعام اللہ شکر کوئی اور شجاعت
اور دیکھو اسے حکم و سیاست کے ذریعہ اور
سورج جوں و زمین معاشرت تھیں اور اس میں
بہ عادتیں بھی تھیں کہ شہوت رانی پر جھلا ہوا
تھا۔ بعض اوقات کی ناریا بھی لبیب پڑتا
تھا۔ وقت گزرتا کہ پڑھتا تو اکثر تھا۔

اور اس عبارت کے ساتھ حافظ ابن کثیر نے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی
یہ حدیث بھی نقل کی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
سے سنا ہے کہ منسلح کے بعد اچھے خلف ہو گئے جو نمازوں کو منقطع نہ کریں گے
اور شہوتوں کی پیروی نہ کریں گے تو انجام کار ختمی، جہنم کی ایک دلوئی، میں جا کر
گئے۔ اشارہ یزیدی پارٹی کی طرف ہے جو منسلح سے اکبری۔ حافظ ابن کثیر کا
یزید کا گندہ در نمازوں اور بعض اوقات نمازوں کو منقطع نہ کرنے کے ذکر پر اس
حدیث کا لانا گو بسا اذکرنا ہے کہ حدیث کا اشارہ کردہ خلف ختم نہ ہوئی لوگ تھے۔

جیسا صاحب نے یہاں بھی تاریخی ریسرچ کے کمال کا ثبوت دیا کہ محصال محمودہ کی حد تک سکے کا مات تو حافظ کی عبادت سے نقل کر لیجئے اور اسی عبارت کا بغیر اگلہ صفحہ جو پڑیسے کے محصال مذکور پر مشتمل تھا اور اس کی دلیل کے طور پر حدیث نبوی پیش کی گئی تھی چھوڑ دیا جبکہ وہی صفحہ اس کی معاشرہ کے حسن وقوع کے پرکھنے کی کسوٹی تھا کہ اس میں پڑیدیک و پانانی زنگی اور بد ہدیٰ ناروغی کا پردہ ناش کیا گیا ہے جس پر کسی شخص کے کردار کی خوبی و خرابی کا پرکھنا موقوف ہے۔ غلامی کے جس شخص کی نماز اور عبادت اور بلفاظ دیگر شوق مع اللہ ہی است ہند جو تو اس کی زندگی اور معاشرت دیا پانی حیثیت سے کیا اور سب ہو سکتی ہے امام مالک رحمہ اللہ نے مولیٰ میں بقا و حق عظیم فی اللہ عنہ کا وہ فرمان نقل کیا ہے جو انہوں نے خصوصیت سے مار سکے یہ ہیں اپنے ملک کو کام کے نام جاری کیا ہے۔

ان عمرو بن الخطاب کتب فی
عالمہ ابن اہل امرکہ عنہ فی
الصلوۃ فمن حفظها وحافظ
عبدا حفظ دینہ ومن ضیعہا
فربوہ لہ۔ اھا اشیعہ۔

عمر بن خطاب رحمہ اللہ نے چھ ماہ کے بعد
نکو کہ جیسا کہ میرے نزدیک تہذیب کا وہ ہیں ہم
نہیں کام لیا کہ پڑیدیک ہے جو سے یہ عبادت
ہو کر لیا اس کی پائندگی رکھے گی دیکھنے والے کو
مضبوط کرنے کی عبادت ہے اس کے لئے کہ وہ تہذیب

سورۃ امام مالک باب وقوفہ علقوہ
کفرہ ہوگا جو ہر کو شخص سے اللہ درست ہے اس کا تعلق ہے الحق بھی کبھی صحیح نہیں ہوتا
اس اثر کے تحت پڑیدیک جی سیاسی مدبر و فیصلہ و بیخ شاعر اور علم و حکم کا مادہ
برقرار ہو مگر ہر کار نمازین کہ متدین نہیں ہو سکتا اللہ غیر متدین جس کا علاقہ حق تعالیٰ

ہے یہی مدہ ہو باہر کی سیاست اور معاشقہ کام بھی نہ رہے جسے بپائے خود
غرضی خود طلبی اور جاہ طلبی کی امیدیں کے بغیر نہیں کر سکتا۔ چنانچہ بڑے بیک زندگی
اس کی شاہد مل ہے۔

حیرت کی بات تو یہ ہے کہ عباسی صاحب تو بڑے بڑے سیاست و معاشقہ ترقیوں
عمرانی فرمائیں۔ اور اس کی یہ عظمت "کونولٹ لارڈز" کا نمونہ کہیں اور خود مگر فاروق
اپنے فرمان کی اصولی زندگی سے اُسے شائع کنندہ نماز ہونے کے سبب اس کے تمام
تعبیر ہائے زندگی کو خود وہ سیاسی بولیاں معاشقہ ترقی زیادہ شائع کنندہ فرمائیں۔
جس میں اس وقت فاروقی تو بہت خوب نامور و معروف تھے۔ اس کی بھی کوئی مشابہت نہ ہو
رہ سکتی۔

پھر عباسی صاحب تو بن کثیر کے نامور عباسی صاحب سے بڑے کے صاحب کا بیٹا
پیش کریں جو خود حافظ بن کثیر صمدیٹ رسول سے کہتا ہے کہ اس کے دیوانہ
مذہب کی ثابت کریں یہ نہ صرف جہالت ہی نہیں ایک گوند سیاست کے ہم معنی ہے
بلکہ ہمارے دور کے خلاف اس کی تاریخ کا نام و ناموس نہیں ہے۔

پھر بن کثیر کی یہ روایت تو مبالغہ کی روایت نہیں یہ تو خود ان کا اپنا تاریخی موقف
اور تاریخ "نکھ کا مشاہدہ ہے۔" اُسے بھی سبائی روایت ہے تو اس کے جند بول سے
وہی صاحب نے کیوں استدلال فرمادہ اور اگر سبائی روایت نہیں ہے بلکہ بن کثیر کے
مستند اور مستند روایت ہے اور عباسی صاحب کے نزدیک اس سے استدلال جائز تھا
تو ان کی جہالت کے تذکرہ کیوں مقرر آواز کر دیں۔ اور اگر عمومی روایت ہے
تو ان کے نزدیک مذہب کا حق بھی تسلیم ہونا چاہیے جو اسی روایت کے جواز و تائید میں ہیں

کیا گیا ہے۔ ورنہ اس آدمی تیرا دھی غیر کی صنعت گری سے بھر نہیں آتا۔
 قبل از چاہیے کہ وہ روایات کے مقدمہ قبول میں اپنے نظریات کو مبیہا کرتے
 ہیں تاریخی حقائق و شائق اور خود مؤرخ کو نہیں۔ اس سلسلہ ایک ہی روایت کا ہوتا
 حضرت اہل کے مطلب کے موافق ہوتا ہے لے لیتے ہیں جس قدر موافق مطلب
 نہیں ہوتا چھوڑ دیتے ہیں خواہ وہ ایک ہی مسلسل روایت کا حقیقی حصہ ہو یا نہ ہو
 یعنی اہل نفاذ میں کسی واقعہ کے ثبوت کیلئے تاریخ اہل نہیں بلکہ اپنی نظر اہل ہے۔
 یہی انہوں نے حضرت حسینؑ کو بھی ثابت کرتے کہ وہ میں بھی کیا کر رہا
 کثیر عظام احمد کا وہ طریقہ قبول کرنا نقل کر دیا جس سے حضرت حسینؑ کی روایت
 بالکل ثابت ہو جائیں اہل کثیری کی اسی روایت کے سلسلہ کا وہ کڑی چھوڑ
 دی۔ جس سے حضرت حسینؑ کی سلسلہ قبول اور مصابیت پر کھلی دشمنی پڑتی تھی۔
 حالانکہ سلسلہ ایک ہی جملہ کا سلسلہ چل رہا تھا جس کا یہ اصل حصہ تھا ہر حال
 یہ کہ کو حرم ان ثابت کرتا تھا تو متعلقہ روایت میں سے خصال محمود کا کثیر نقل کر دیا
 اور خصال محمود کا کثیر حصہ چھوڑ دیا اور حسینؑ کو یہ بھی ثابت کرتا تھا کہ مصابیت
 کی خصال محمود ان کے لئے ثابت نہ تھی تو اب کثیر کی متعلقہ ہر نئی عبارات
 کا تابعیت و ملا ایک حصہ لے لیا اور مصابیت و ملا و سرائفوں مطلب حصہ
 چھوڑ دیا اسی لئے ہم شروع سے کہا کرتے رہے ہیں کہ یہ ہندوستانی ریسرچ
 نہیں نظر لینی ریسرچ ہے موت لیل اس پر ہندوستانی ریسرچ کا چپکا دیا گیا ہے۔
 ہر حال یہ ایک فسق و فجور کا جہاں کہ صحابہ کرم سب کے سب ہی متعلق ہیں
 خواہ ہا نہیں ہیں یا منافقین کھرا کہ جتنی حق متعلق ہیں اور ان کے بعد ملنا

راستین محمد بن فقہا مثل علامہ قسطلانی، علامہ بدر الدین عینی، علامہ شیشی، علامہ
ابن جوزی، علامہ سعد الدین تغا، زانی، محقق ابن ہمام حافظ ابن کثیر علامہ ابوالکلام
جیسے محققین یزید کے فسق پر علامہ صفت کا اتفاق نقل کر رہے ہیں۔ اور خود بھی
اسی کے قائل ہیں۔ پھر بعض ان میں سے اس فسق کے قدر مشترک کو متواتر المعنی
بھی کہہ رہے ہیں۔ جس سے اس کا قطعی ہونا بھی واضح ہے۔ پھر جو پرستہ، ائمہ
اجتہاد میں سے امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام احمد بن حنبل کا یہی مسلک، ائمہ اربعہ نقل
کر رہے ہیں اور خود شافعی ہیں اور فتویٰ دے رہے ہیں تو ان کی نقل ہی سے
یہ مسلک، امام شافعی و فرقہ شافعی کا بھی ثابت ہوتا ہے تو اس سے زیادہ یزید
کے فسق کے متفق علیہ ہونے کی ثبات و در کیا ہو سکتی ہے ؟

اسی سے یہ بھی واضح ہے کہ یہ تاریخی نظریہ نہیں ہے مورخین نے بطور تاریخی
مسیح کے پیش کر دیا ہو بلکہ ایک فقہی اور کلامی مسئلہ ہے جو عقیدہ اور مسئلہ
کی لائن سے منسوب حدیث و فقہ نے اپنی کتب عقائد مسائل میں اس کا
ذکر کیا ہے رفتہ بہ رفتہ کو ذرا اور آگے بڑھایا جائے تو واضح ہو گا کہ فسق
یزید کا مسئلہ کوئی اجتہادی مسئلہ بھی نہیں جو کہ مسئلہ اور عقیدہ کا وجہ پھر بھی اعتبار
تھا۔ بلکہ ایک منصوص مسئلہ ہے جس کی بنیادی کتاب سنت میں موجود ہیں۔
گو درجہ اجمال میں ہیں اور علامہ راستین و مجتہدین کی یہ نقول اور حقیقت نہیں
املاویث کے تفصیلی بیان اور اس کی تشریح و توضیح کا درجہ رکھتی ہیں۔

اس مسئلہ میں احادیث نے یزید کی حکومت اس کی نوعیت اور اس کے
فسق آمیز اقدامات کی کلی اور اصولی الفاظ میں ایک طوری تاریخ ذکر کر دی ہے۔

ہیں کو واقعی ترتیب کے ساتھ جھڑ کر دکھا جائے تو اس کے فتنے کی یہ چوری تاریخ
ساختہ بناتی ہے مثلاً سب سے اول بخاری کی اس حدیث پر نظر ڈالئے۔

قال ابو هريرة سمعت ابا سادق
المصداق صل الله عليه وسلم
هبة امي ابي ذر غيبة من
قريش (ابو ذر کہتا ہوں کہ)

اس حدیث سے متواضع ہے کہ اہمت کی تباہی کا یہ چیز قریشی رکھے نہیں
گئے۔ رکوں کا لفظ تصغیر کے ساتھ لایا جانا اس کی توجہ میں و تحقیق کی طرف اشارہ
ہے کیونکہ اہمت جیسی عظیم جلیل چیز کو تباہ کر دینے والا تعظیم و توقیر کا مستحق کیسے
ہو سکتا تھا چنانچہ فروع البخاری کی پیش کردہ ایک روایت میں ان تعلیم کی صفت
سخا، ذکر کی گئی ہے۔ یعنی یہ تباہی بدعتوں کے ہاتھوں ہوئی جنہیں سخا
ہوئی جس سے ان کی بد نظری واضح ہے اور بد نظر جس کے دل کی کلیں ہی درست
نہ ہوں نیک عمل نہیں ہو سکتا۔ اس لئے بد نظر ہونے کے ساتھ ان کا بد عمل ہونا
بھی ضروری ہے۔ اس لئے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت میں عوامی
سیاق میں وارد ہوئی ہے ان رکوں کو صبیان سے تعبیر کرتے ہوئے ان کی
عملی کیفیت بیان فرمائی گئی ہے۔

اضاعوا الصلوة واتبعوا الشهوات
فسوف يلتقون عيا
یوں لوگوں کو خاک کریں گے اور شہوات
لہس کی پیروی کریں۔ اور قرہا بکا لگی
جہنم میں جہنم کے ہاتھ لگے۔

اسی لئے حافظ ابن حجر نے عیسیٰ اور قیصر کے لفظ کی مراد بتواتر ہونے

قرایا ہے کہ:-

قلت وقد يصدق العيسى والغيم
بالتضدير على الضعيف العقل التذمر
والدين ولو كان محتملا وهو امر ذو
هنا۔
میں کہا تھا کہ کسی اور عقیم و حیران لفظ کا لفظ
تضیر کے ساتھ کہی ضعیف عقل صید مذہب
اور ضعیف دین کے ساتھ بھی ہوا ہوتا ہے گویا
جو بن بھی ہو اور یہاں بجا ملو ہے۔

یعنی یہ امت کے دشمن تو خیز لڑکے گویا عمر کے لفظ سے تو بالکل منہ کیے
مقل و تذہب اور دین کے لفظ سے حقیر کمزور اور عقل مکتب ہوں گے۔

بہر حال حدیث بخاری نے جن پر عقل اور سنی ائمہ پیر رکھوں گے ہاتھوں بہت
کی تباہی کی خبر دی ہے ان کا کردار بھی احادیث نبویؐ ہی نے متنبہ کر دیا ہے
کہ وہ امت کو اس لئے تباہ کریں گے کہ خود بھی دین عقل تذہب اور کردار کے
لفظ سے تباہ حال ہوں گے۔

پھر اس حدیث بخاری میں یہ امت کا لفظ اس طرح بھی مشہور ہے کہ یہ ہلاکت
شخصی یا انفرادی قسم کی نہ ہوگی۔ کیونکہ ایک دو یا سو پچاس افراد کی ہلاکت امت
کی ہلاکت نہیں کہی جاسکتی۔ بلکہ اجتماعی قسم کی ہلاکت ہوگی جس کی زد پوری امت پر
پڑے گی۔ اور اسکا اجتماعی شیرازہ اس ہلاکت کا شمار ہو گا اور جبکہ اجتماعیت ہی
کی شیرازہ بندگی کے لئے اسلام نے خلافت رکھی ہے۔ تو امت کی اجتماعیت کی
ہلاکت کے معنی صاف غفلتوں میں غفلت کی تباہی کے نکل آتے ہیں گویا حدیث
نے چند قریشی رکھوں کے ہاتھوں خلافت دین کی تباہی کی خبر دی ہے۔

ایک دوسری حدیث میں اس مفہوم کی صراحت کے کیسا تو اس طاقت امت کی کیفیت بھی بیان کر دی گئی ہے کہ یہ امت کی تہا ہی در حقیقت دینی کا بر کی نارت کی تہا ہی ہوگی جبکہ اس کی جگہ اصغر و صبیح کی نارت سے لگی وہ سیاسی اقتدار دین کے بڑوں کے ماتھے لٹک کر تو خیر و کموں کے ماتھے اٹھائے گئے گا۔ حافظ بن حجر نے حدیث ابو ہریرہ کی یہ مرد بیان کرتے ہوئے انہی کی یہ دو سرفرازیت ان الفاظ میں پیش کی ہے جس کی وجہ سے حدیث نبوی کی مرد حدیث نبوی ہی سے متعین ہو جاتی ہے۔

قال ابن سعد جاد امراد بالہذا
مہیناتی حدیث اخو زب ہریرہ
الخریجہ علی بن معبد و امت
شعیبہ من رجبہ انور من افی ہریرہ
لفظ اعوذ باللہ من امارۃ نصیبنا
قلا و اما امارۃ النصیبان قال ان
اطتوہم و ہلکتم ای فی دینکم
وان عصیتوہم اہلکم کو کراہی
فی دینا کراہی انفس او با
ذہاب الدن او ہلکتم لہریرہ

بن بطلان نے یہ حدیث اور روایتوں
امت کی مرد ابو ہریرہ کی اور حدیث
سے نقل جاتی ہے جس کو یکساں انداز سے علی
بن معبد ابن شعیبہ نے روایت کیا ہے کہ ہریرہ
اقد علی بن عبد و کہنے لایا کہ میں اقد
افد صبیحہ بار زکوٰۃ کی حکمت کا کیا
ہے فرقہ کہ اگر تم ان کی امت کو کراہتے تو ہلکے
ہو گئے جیسا کہ ان کے بار میں درنہ لایا
کر لے تو اسے لکھ کر اس سے یعنی ہریرہ
وہ لکے وہ میں بیان کرے ہریرہ کہ وہ بار

اس دوسری حدیث سے بھی کر کے اصل اقد علیہ وسلم کی مرد پوجت طور پر واضح ہو
گئی کہ امت کی طاقت کے معنی در حقیقت امت کی اجتماعیت یعنی امت دینی اور

خلافت اسلامیہ کی تباہی کے ہیں جس کی صورت یہ ہوگی کہ نوخیز، تجرہ دار
ہردین کے بچے لڑکے برسرِ اقتدار سجا دیں گے، سیاسی اقتدار ان کے ہاتھ میں ہوگا
اور وہ ان شیعوں کی کوئی عظمت و حقیقت دلوں میں نہ رکھتے ہوں گے۔

پھر اسی حدیث نے اسی امارتِ مہمیان کی نوعیت بھی کھول دی کہ وہ کس
رنگ کی حکومت ہوگی اور اس کا رخ کیسا ہوگا، درحقیقہ اگر اسلامی حکومت کا
معیار دین ہے اور بلاشبہ ہے تو اس حکومت کی اطاعت میں تو دین ضائع ہو
گا جو مسلمانوں کی بحیثیت مسلمان ہونے کے بلاکت ہے اور اس سے بغاوت میں
دنیا ضائع ہوگی مگر دین باقی رہے گا۔ گویا مسلمانہ اطلاع دی گئی ہے کہ یہی
حکومت کی اطاعت ہے فکری سے نہیں کی جائے گی، بلکہ اگر دین کوئی محفوظ
رکھنے کی چیز ہے جسے ضائع ہونے سے بچایا جانا ضروری ہے تو اس خبر سے یہ انسان
بھی پیدا ہوتی ہے کہ ایسی حکومت کا ساتھ ہرگز نہ دینا اور دین کو بچانا۔ آئیہ کہ
فتنوں کا درد رکھتا ہوا نظر آئے تو رخصت کا درجہ بھی قواعد شرعیہ کی رو سے
کھلے جواب ہے کہ ایسی صورت میں صحیح و طاعت کا رشتہ ہاتھ سے نہ دیا جائے۔ تاکہ
ملومی طور پر مسلمانوں کا خون ضائع نہ ہو اور ان کا باطن و مال بچا رہے۔ درحقیقہ
اب ایسی مہمیان کی تعبیر کا رہنا ہے کہ اس امارتِ مہمیان کے وہ مہمیان کوئی
جنسوں نے شیعوں و اکابر کے نظام کو وہیم برہم کر کے رکھ دیا تو احادیث نبویؐ
آتر صحابہؓ نے انہیں متعین کر دیا ہے۔ چنانچہ متعین طور سے دکھانے کے
لیے اولاً ان کا زمانہ متعین کیا تاکہ اس زمانہ میں برسرِ اقتدار آنے والی شخصیتوں
اکو دیکھ کر سمجھ لیا جائے کہ یہی وہ مہمیان ہیں جن کے انھوں پر لسانِ نبوتؐ

ہلاکت اُمت کی خبر دی گئی مصنف ابن ابی شیبہ کی روایت دیکھئے۔

و فی روایت ابن ابی شیبہ ان آیا اور ابن ابی شیبہ کی ایک روایت میں ہے
 ہریرۃ کان یبکی فی الاسواق و کہ ابو ہریرہ بازاروں میں چلتے پھرتے کہتے
 یتقول اللہ عز و جل اتی سکتہ تھے کہ اسے اللہ عز و جل کا نام محمد پر گزرتا
 ستین و فی امامۃ الصبیان۔ اور امام حسین علیہ السلام کے پاس۔
 (نقہ ابی یوسف)

یہ سنہ حرکہ زمانہ صبیان ہونے کی خبر اس روایت میں تو ابو ہریرہ کا قول
 ہے کہ جو حکم میں حدیث مرفوعہ کے ہے جبکہ کوئی قیاسی چیز نہیں کہ اسے انتہاء
 پر محمول کر لیا جائے۔ لیکن ابو سعید خدریؓ کی حدیث میں اسی سنہ کی خبر ایک
 دوسرے عنوان سے قول نبویؐ میں صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں بھی دی گئی ہے۔
 جس کا ایک حصہ ابھی گذر چکا ہے۔ اس حدیث کا پورا متن یہ ہے۔

اننا سمعنا ابا سعید الخدریؓ یقول فیقول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا
 یتقول اللہ عز و جل اتی سکتہ ہے کہ سنہ کے بعد ایسے غف جوں گے۔
 من بعد ستین سنۃ انما ہوا اسلاف و انما ہوا الشیوات فسوف یلقون فی النار
 (الحدیث و نہایت مختصر)
 جس میں مذکور ہے جائیں گے۔

یہ سنہ کا ذکر قول ابو ہریرہؓ میں بھی ہے اور حدیث نبویؐ صلی اللہ علیہ
 وسلم میں بھی ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ ابو ہریرہؓ کی روایت میں سنہ کے آغاز

کا ذکر ہے۔ اسی لئے ان کی روایت میں اس التین کا لفظ بھی آیا ہے جس کا حاصل یہ ہوا کہ مسئلہ کے آغاز پر جو واقعات درج ہو چکے تھے ابو ہریرہؓ نے ان کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ جیسے امامہ کلبہؓ کا خاتمہ اور امامہ صبیانہؓ کا آغاز اور حدیث نبویؐ میں بدستین کا لفظ ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ حضورؐ نے مسئلہ شروع ہو جانے کے بعد کے حوادث کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ یہ صبیہؓ کی حکومت کا دور ہے کیا انجام لے گی؟ دونوں روایتوں سے حواشی کی تاریخ یہ بن جاتی ہے کہ مسئلہ کے آغاز پر تو یہ تھیں کے جل جانے سے خلافت کے عہد کی تبدیلی ہو جائے گی اور اس زمانے کے بعد خواہ وہ مسئلہ ہی کا دور ہو خلافت کی تباہی کے نام، شروع ہو جائیں گے جو بالآخر امت کی اجتماعی تباہی پر منتج ہوں گے۔ اور اس حکمت کی نوعیت یہ ہو جائے گی کہ اگر اس کا ساتھ دیا جائے تو دین ضائع ہو گا۔ اور ساتھ چھوڑا جائے تو دنیا ضائع ہو جائے گی۔

بہر حال دونوں روایتوں سے یہ متین ہو گیا کہ نوخیز لڑکوں کے ہاتھوں امت کی ہلاکت اور دوسرے مظلوموں میں صلاہی خلافت کی تباہی کا زیادہ مسئلہ کا ہو گا۔ اب یہ کہ مسئلہ میں کوئی لوگ برسرِ اقتدار آئے اور وہ نوخیز تھے یا بوڑھے اور عمرہ تو حافظ ابن حجرؒ کی ذیل کی عبارت پڑھئے جو بہرہ ور اور ابو سعید خدریؓ کی ان روایتوں کی مراد بتلا کر ان کا مصداق متین کر رہے فرماتے ہیں۔

وفي هذا الاشارة الى ان اول الا	حد سما میں اشارہ اس طرف ہے کہ ان نوخیز
خليفة كان في سنة ستين يزيه و	لڑکوں میں پہلے نوخیز مرد کا مسئلہ میں بڑھ
هو كذا فان يزيه بن معاوية	نما اللہ و، یا اچھا (معاویہؓ) کا طریق میں

استخفاف فیہا وبقی الی سقۃ الریحہ خبر دیجی ہے کہ کچھ عیسائیوں نے مہدیؑ کی اس میں تہلیل
و ستین فصاف۔ (فتح مہدی شاہ) بتایا گیا اور اس سے صبح الی راہ ہر وقت ہو گیا۔

اس سے متنبہ ہو گیا کہ جن المرد صبیان سے ابو ہریرہؓ بھاؤ مانگتے تھے اور اس سے
کے جن صبیان کی بدعمل اور شہوت رانی حدیث ابو سعید خدریؓ میں مذکور تھی۔ وہ یہی
امارۃ تھی جس کا وہیں سربراہ یزید تھا جو چوتیس سالہ جوان تھا۔ عمر عیوش کی تھی مگر
مصل و تہذیب اور دین کے لحاظ سے نابالغ اور سبھی تھا۔

اس سے حوالہ اس نئے صاحب اقتدار نے اپنے قتل سے کارنامہ کیا انجام دیا وہ
یہ کہ ۷۱ چار سالہ دور حکومت میں بہت بڑا اس کے روگردانیے نوخیز مغیا مع ہو
گئے جو دینی مذاق اور دینی امانت و دیانت سے متاثرہ تھے یا کسی حد تک ہوں تو
ہوئے غص کے قلب سے وہ تاثر کا عدم تھا۔ یہ صبیان جو بھی ہر سراقہ آئے لہذا
اپنی امارۃ کے فساداتی مقاصد کی راہ میں شیوع و پناہ کا ہر وقت اور دینی فساد کے
پلانے تجربہ کاروں کو راستہ کا نشانہ دیکھتے جو انہیں قدم قدم پر دینی معیار سے
روک ٹوک کر سکتے تھے قوی سے بعد و گیت انہیں راستہ سے ہٹا کر شروع کیا تاکہ
امارۃ الشیوع ختم ہو کر امارۃ الصبیان اس کی جگہ پر آجائے اور وہ آزدی سے
اپنے نفسانی تمامہ چور سے کر نکلیں جس سے صاف واضح ہے کہ یہ المردہ الصبیان
در حقیقت امارۃ الشیوع کی تخریب پر قائم ہوئی جس کی حدیث نے خبر دی اور
یہی وہ ملک غصوں تھا جس کا قیام خلافت کی اوکھڑی ہوئی ویشوں پر کیا گیا۔
پس اس کا قیام ہی دین اور اہل دین کی تباہی کے ہم معنی تھا۔
چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں۔

والذي يظهر أن المذكورين من
جملتهم وإن أورد يزيدي كما
وقد عليه قول الإمام يرقى رأس
الستين وأما الصبيان فإن
يزيدي كان غالباً ينتزع الشيوخ
من أمة البلدان ويوليها
صانع من أقاربهم انتهى.

(۱) تمہارا بیابانی سفر

ہم نے تو فیض راہ نور (نور علیہ السلام) کو بھرت کرنا چاہتا تھا۔

عالم برادر الدین یعنی میں اس لہذا انصہیان والی حدیث کی شرح کہتے ہوئے لکھتے ہیں۔
 وادھم یزید علیہ ما یستحق
 وکان غالباً یزید الشیمو من
 امارۃ البیدان الکیام ویرقیہا
 الا صاخر من اقامہ۔

(عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ)

قرآن کی م (کلمہ کی حیثیت سے) پہلی آیت ہے۔

بہر حال اس وقت کا نقشہ بدل گیا۔ شیوخ کے بھائی نے اعدائے اہل حق کے
 اشتہار آئے تھے۔

یہی صاحب نے اس حقیقت کو چھپاتے ہوئے صریح یہ دتا بعین کے کچھ
ہم شہد کرانے ہیں کہ یزید کی حکومت مہدیوں کی کب بھی جبکہ فلاں فلاں جگہ یہ کام
قیدینات تھے۔ اس سے افکار نہیں لیکن تشریح حضرت کا دعویٰ اکثریت کا جسکے

غلبہ حکومت میں نہی فساد اور شہوت پرستوں کا تقاضا جس کو شیخاورد بن جرنے
 نامانگی قید کے ساتھ ذکر کیا ہے اور وہ تائبانگ دور اثریت ہی کے ہاتھ میں
 ہوتی ہے اور حکم میں کل ہی کے ہوتی ہے۔ یوں بنامی سے بچنے کیلئے کچھ
 اکابر کو بھی رہنے دیا گیا تا کہ فہرست شماری میں یہ نام آسکے کہ اس حکومت
 کے اجراء اکابر مت بھی تھے۔ کون نہیں جانتا کہ آج کی حکومت ہندو کیلیدی
 عہدوں پر سوائے ہندوؤں کے دوسری قوموں کے افراد بالخصوص مسلمانوں کو رکھنے
 کی روادہ نہیں ہے۔ لیکن بین الاقوامی اور بالخصوص اسلامی دنیا کامنہ بند کرنے
 کے لئے چند گتے پختے نام مسلمانوں کے بھی رکھ چھوڑے ہیں اور جب یہ پورے
 ہندوستان سے یہ نام جمع کرنے ایک جگہ ان کی فہرست شائع کی جاتی ہے تو دنیا
 ان کی عدوت ساری کو دیکھ کر بھشتی ہے کہ شاید ساری حکومت ہند پر مسلمانوں کا قبضہ
 ہے۔ ماکمان ناموں کو اپنے اپنے مواقع کے دوسرے افراد کیساتھ پیش کیا بدستے
 تو ان میں ہزار اور ایک کی بھی نسبت نہیں ہوتی۔ اسی پر جاسی صاحب کی
 اس صنعت گری کو قیاس کر لیا جائے کہ انہوں نے بھی مجموعی طور پر کار کے
 کچھ ناموں کی فہرست پیش کی کہ حکومت ہند کی صفائی پیش کر دی کہ جب اسے
 صاف دتا جائیگا، اس حکومت کے کارکن تھے تو یہ امارۃ الصبیان کہاں رہی؟
 لیکن یہ حوالہ جہل واقعہ کے خلاف ہے اور یہی قول رسول کا مبارک
 جہن ہے جس میں اس حکومت کو امارۃ الصبیان کہا گیا ہے اور اس کی ذاتی اور
 امتیازی تباد کاروں کی فہرست پیش کر دی ہے۔

مگر بحیثیت مجموعی اس امارت صبیان کے ظہور اور امارت شیوخ و امار کے

مست جانے کا شرع کیا نہ تھا۔ سو اس کے بارے میں محدثین فقہاء اور مؤرخین نے جو تفصیلات
 ذکر کی ہیں وہ وہ حقیقت ہیں، آثار و روایات کی توضیح و تشریح اور مصداقوں کا
 تعین یہی ہے۔ جو اپنے اصل و مآخذ کے تابع و کران روایات ہی کے ذریعہ بیان
 ہوگی اور وہ یہ ہے کہ سلسلہ میں بلا حد کی امامت قائم ہوئی اور سلسلہ میں غم
 ہو گئی۔ ان میں سلسلہ کچھ ماہ کے مختصری مدت میں اس بارہ قصبیان نے بڑھاکا
 کی تہذیب سرکردگی جو کارنامے انجام دیئے ان کا خلاصہ یہ ہے کہ سلسلہ میں تو عقد
 کر لیا کا ظہور ہوا جس میں اہلبیت رسول پر ماہ کے گئے۔ حضرت حسینؑ عیسیٰ کے
 ساتھ رہے گئے اور فائدہ ہوا ہوا کی ہے حرمتی کی گئی۔ پھر سلسلہ میں فدۂ خود
 کا ظہور ہوا۔ جس میں مدینہ کو مباح کر کے صحابہ، بنی اسباب اور اہل مدینہ تباہ
 کئے گئے ان کی جانیں، اہل نہیں تلف کی گئیں اور جو ہونا تھا وہ ہوا۔ پھر
 سلسلہ میں یوم کربلا کا ظہور ہوا جس میں بیت اللہ کی بے حرمتی کی گئی منجلیق
 لگایا گیا کعبہ کی دیواریں ٹٹ گئیں۔ خلافت کعبہ بدل۔ در حرم کو حلال کر دیا گیا۔
 چنانچہ مسلم میں یہ روایت تفصیل سے موجود ہے۔ ظاہر ہے کہ مکہ مدینہ صحابہ
 اور عزت رسول کے آگے رو ہی کیا جاتا ہے کہ تباہ کاریوں کے سلسلہ میں آئے
 کوئی بیت و عیالے۔ جی چار چیزیں دیں کی متی اور محتوی بنیادیں تھیں جن
 پر دینی اجتماعیت کی بنیادیں قائم تھیں جب وہ ہی ٹٹ گئیں تو دینی خلافت
 کی عمارت کیسے کھڑی رہ سکتی تھی وہ بھی گر گئی۔

ابن ابی عمیر تباہ کاریوں کا جامع عنوان حدیث نبویؐ میں امارۃ العصبان
 فرمایا گیا ہے جس کی پیش گوئی مسابن نے پہلے ہی سے کر دی گئی تھی۔

عرضِ حدیث نبویؐ کی پیش گوئی کے مطابق اس ستلہ کی مدارۃ العصبیان نے جو کچھ انقلابِ امت میں برپا کیا وہ یہ تھا کہ یہود اور اس کی پارٹی نے ملک سے اکابر و شیوخ اور بڑے بڑے حضرات کو کسی کی جان لیکر کسی کا مال چھین کر کسی کو دھوکے سے محروم کر کے کسی کو ڈرا دھمکا کر کسی کو مجبور کر کے کلیدی دہلوں اور منصوبوں سے بلندیہ کر کے اور غیر مذکوروں کو امانت میں بھرتی کیا جس سے لوگوں کی امانت یعنی امانتِ صبیان کا ظہور ہوا۔ اور اس انقلاب سے مارتِ شیوخ کا وہ قدیم ڈھانچہ و درجہ برہم ہو گیا جو ان بزرگوں کی فراست و یانت اور تجربہ کارانہ سیاست سے قائم و قائم تھا اور دنیا اس کے برکات سے مستفید ہو رہی تھی در ایک نیا اور نئی ڈھانچہ اس کی جگہ آ گیا جس کے منفی اثرات وہ نااہل ہوئے جو قیامت تک ستلہ کے لئے انتشار و تشویش کا ذریعہ ثابت ہوئے جس کی قدر سے تفصیل بھی عرض کی گئی۔

اور پھر یہ سب سے بڑا فتنہ خود قتلِ حسینؑ و اہل بیتؑ رہا جس پر یزید نے خوشی ظاہر کی اور بعد میں قیامت تک پناہ مستقبل تاریک دیکھ کر غم کا اظہار کیا جو درحقیقت قتلِ حسینؑ پر نہ تھا بلکہ اپنی بے آبروی کے خیال پر تھا۔ اس طرح یہ شخص باشارۃ حدیث نبویؐ امت کی ہلاکت و تباہی کا باعث ثابت ہوا۔

گویا یہی بعض مدینیں اور بابِ سیر اور یا خصوصاً حافظ ابن کثیر نے ذکر کی ہیں جنہیں یزید کا نام لیکر اسے امت کی ہلاکت کا سبب بتایا گیا ہے گویا صبیان رنی کے اس سرچرچ کے جو حدیثِ عمومی اور کلی، الفاظِ مشکِ احادیث میں ذکر

کئے گئے ہیں۔ دیکھا ہم لیکر ہی ان احادیث میں ذکر میں آگئے ہیں جیسے ابوہریرہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ آپ نے فرمایا کہ :

لَا يَزَالُ امْرُؤٌ هَذًا اِلَّا مَعَ قَاتِلَا ۖ
 مِثْرَى اَمْتٍ ۖ اَمْ رُوْحُهُ مَلِكٌ مِّنْ مَّلَکِ
 بِاَلْقَطِ حَقٍّ يَكُوْنُ اَوَّلُ مَنْ يَشْلُکُ ۖ
 سِجَّانًا ۖ يَدْرِي مَا لَمْ يَدْرِي مَا لَمْ يَدْرِي
 مَا لَمْ يَدْرِي مَا لَمْ يَدْرِي ۖ
 (ابن ماجہ و الترمذی و ابن کثیر)

لیکن ہم نے اس قسم کی روایتوں کو اس لئے پیش نہیں کیا کہ ان کی سندوں میں غلط کیا گیا ہے۔ بلکہ صرف عمومی روایتیں پیش کر دینا کافی سمجھا ہے۔ نیز یہ اور اس کی حیثیاتی پارٹی کے یہاں وہ فلسفیانہ کارنامے رسول شیعہؐ و انکار توحید صلی اللہ علیہ وسلم، اہل بیت، اہل بیت، تحصیل کمال و آقا جبریل و غیرہ تھے جن سے اسے مقرب غلامی بھی گیا۔ اور اس کی طاقت اللہؐ ائمہ کو انہی الفاظ سے مدین نے ذکر کیا ہے جو اہل دین و تقویٰ کے مقابلہ پر آئے ہوئے ظالموں اور جباروں کے ہوا میں قرآن و حدیث میں استعمال کئے گئے ہیں چنانچہ واقعہ حقوق موقوفہ پر جبکہ یزید نے مسلم بن عقبہ کو بھیج کر مدینہ کو تین دن کے لئے مبارک کر دیا جس سے اس خادم و فاسق کے ہاتھ پر کھتے ہی صحابہ اور بنو امیہ قتل ہوئے۔ عورتوں کی بے حرمتی ہوئی اللہ پر بدنامی اپنے ان جبارانہ اور بلا شکریت غیر سے مغرور کو دیکھ کر خوشی کا حمار کیا کہ اب اس کا حکم پائیدر ہو گیا اور قوت ایسی مستحکم ہو گئی کہ وہ کبسا بھی حکم دے کوئی چون و چرا کر نہ پا سکے گا۔ تو اس کے ان جذبات و فساد کا نتیجہ ظاہر کرتے ہوئے حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں۔

وقد اخطأ يزيد خطأ فاحشا في
قولہ لمسلم بن عقبہ ان یبعث
المدینۃ ثلاثا ایام وھذا
خطا کبیر فاحش مع ما اقتصہ
الذی ذم من قتل خلق من
الصحابۃ وابتداء ھم وقد
تقدم انہ قتل الحسینؑ اعمی
علی یدی عبید اللہ ابن زیاد
وقد وقع فی هذا الثلاثۃ
ایام من المفاسد العظیمۃ فی
امدینۃ النبویۃ ما لا یحصو
لا یوصف مالا یعلمہ الا اللہ
علوہ جل وقد اراد ہا سال مسلم
بن عقبہ قوطید سلطانہ فر
مکہ ورواہ ینامہ من خیر
منارہ مناقبہ اللہ بتقیض
قصدہ وحال بینہ وبعیرے ما
یشتمیہ فحققہ اللہ قاصدہ
الجبہ راہ اخذہ اخذ مرسل مقتدر

اور با شہید یزدی نے مذکور ترین غلطی کی جو مسلم
بن عقبہ سے کہا کہ دو روزہ کو عین دن مکہ میں
اللہ تم کو قریب دیکھے یہ (عجربانہ) غلطی تھی جس کے
ساتھ یہ اور اضافہ ہوا کہ ایک بڑی تعداد میں راہ
ابتداء صحابہ کی قتل ہو گئی تھی پچھلے آج ہی چٹا ہے
کراس نے مغرب میں راتھی اللہ نے اور ان کے
ساتھ ہوا کہ عبید اللہ بن زیاد کے ہاتھ سے قتل
کرایا۔ (بزرگ دیکھئے) ان تین دنوں میں ہر
بڑے عظیم مفسدہ ہوا ہیں سمجھتے ہیں کہ مدبر
کیا جاسکتا ہے دن کی کوئی گیلیتے ہوئے
توئی جاسکتی ہے۔ انہیں اللہ ہی جانتا ہے
یزد نے جو مسلم بن عقبہ کو مدینہ بھیج کر یہ جانا
تھا کہ اس کا ملک محفوظ ہو جائے اور اس
کی حکومت دیکھ لے۔ جس میں کوئی شریک نہ
ہویم جو نہ کیوں غلطی اسے اس سے معذور
کے خون سردی اللہ جو چاہتا تھا وہ نہ ہونے
دیا اسے اسی طرح پچھلا جی طرح اس نے
جہازوں کو پچھاڑا ہے اور قتل کے پنجوں سے
اسے پکڑا اور ظالم بستیوں کے لئے تیرے رب

وَلَذَلِكَ اخذ مرابط (ذا اخذ)
انقری وهي طائفة من اخذ
کی کڑا ہی ہی صحت چوتی ہے اس کا طرف
بہ انتہا ہم عجیب اور شدید چوتی ہے۔

الید شدید۔ البویۃ ۱۳۱

بہر حال اس حدیث مذکورہ اسی کی روشنی میں محکم کے بیانات اور محدثانہ
روایات کو سامنے رکھ کر اس صبیانی پارٹی اور اس کے سربراہ یزید کی ہوتا رہا محدثانہ
استوہ پر غصہ ہے وہ یہ ہے کہ

اس کی تباہی چند قریشی بڑوں کے ہاتھوں ہوئی جو غفلت کی تباہی تھی۔
یہ بڑے اپنے ذاتی کردار کے لحاظ سے سفید، متحرک کار، سیاہ کار، نیک، نیک
کے دروازے کے جگہ شہوت پرست لگ تھے۔ انہوں نے نظام دیانت کو ہر ہم
برجم کر کے رکھ دیا۔

ان ہی فوجیوں کی امارت کا نام امارۃ صبیان ہے۔ جس سے صحابہ نے
پناہ مانگی۔

اس امارت صبیان کے ظہور کا زمانہ سنہ ۱۱ کا دور تھا۔

اس صبیانی ٹوٹا، پاپا، سیاہی یزید تھا۔

اس صبیانی پارٹی کا امارت کی نوعیت امارت شیوخ کی پامالی اور فوجی
صبیان کی بالادستی تھی۔

اس امارت میں اکابریت، کوکھیدی اس سے ہٹا کر بطور خوشی پروری

نویز عز و ہوا قرار کو ان کی جگہ بھرتی کیا جاتا تھا۔

شرع حدیث نے ان واقعات کی یہ حدیثی پیشگوئیاں عین احادیث کے اشک

کے مطابق چوہی چوٹی دکھا کر اپنی محدثانہ روایات سے ثابت کیا کہ سب اقامات
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ضروریات کے عین مطابق نمایاں ہوئے۔ اور حضرت
صادق مصدق صلی اللہ علیہ وسلم نے جن فوجیوں سے انھوں نے کتبہ ہجری
بلاتسمیہ اسرار لکھا فرمائی تھی وہ بھی ان کے تھے جن کے اسماء بعد میں زمانہ اور
اتقیاہ اہل زمانہ کی تصریحات اور واقعات سے متعین ہوتے گئے۔ جن کے بارے میں
ابو ہریرہؓ نے مروان سے فرمایا تھا کہ مجھے ان صحابہ کے نام اور قبیلے تک معلوم
ہیں اگر میں چاہوں تو بتا سکتا ہوں۔

بہر حال یہ اسماء اور یہ مشن ان کے حرکات و افعال سب کچھ سنا کی
نظروں میں مشین تھے اور مخصوص صحابہ کے علم میں تھے اور چہ بین اس نظر کے
مطابق مدنا ہوئے لیکن ان تکوینی امور کا افشاء اور کھیلنے الفاظ میں ان کا بیان
حکمت میں اسلئے ان کی طرف اشارہ بھی کافی ہو جاتا ہے تاہم اتنا واضح ہے کہ
یہ محض رسمی طور پر تدبیر باطنی نہیں جنہیں کسی مندرجہ قلمبند کر کے بطون
اور اق میں منضبط کر لیا ہو بلکہ شرعی امور میں جو شاریع علیہ السلام کی نظر میں
تھے اور جنہیں شریعت نے بطون پیش گوئی کے لظہر فرمادیا تھا اور صحابہ انہیں
جانتے تھے۔ اس لئے ان کا ظہور شرعی ہے محض تدبیر نہیں۔

ظاہر ہے کہ مجموعہ مادیات اور مخصوص روایات محدثین جو شمس امارت اکابر
کو مٹا رہا جن کی بڑائی جنگ اور دینی تجربات کے زیر سایہ اسلامی امانت بہت حد تک
فقد ہوئی تھی امانت جہان واسطہ قیام کر لے جس کے زیر اثر دستوں اور
ہے حکموں کا قتلہ قائم ہو جائے اور اس کے تحت کتنے ہی پاکیزہ خداگان خدا کا

جان و مال تلف ہو جائے، کتنوں ہی کی آبرو میں مٹ جائیں فرق مراتب ائمہ
 چلے گئے کتنوں ہی کو عظیم کرب بلا سامنا کرنا پڑے اور کتنے ہی نئے نئے کتنوں کی
 غم ریزی ہو جائے جن کی زندگی امت تک پوری اُمت پر ہو اور امت کا شہید
 بکھر جائے تو کیا ایسے شخص کو متقی کہا جائے گا یا متقیوں کا دشمن۔ اور کیا یہ
 ہی شخص کو شریعت کی زبان میں ناسق اور اجتماعی رنگ کا فاسق اور ناسق معاصی
 نہیں کہتے؟ اور وہ چیمبر کے سوا کون سا اور جبکہ اس فسق کے اثبات میں حدیث
 سے لیکر فقر کلام تک کا دخل ہے تو اس فسق کی تصدیق کو جو حدیث و فقہ کی تصدیق
 ہے حقیقہ نہیں کہیں گے تو اور کیا کہیں گے؟

عیسیٰ صاحب نے بہت بلند ہنگ ہو کر غزوہ قسطنطنیہ میں یزید کی شکست
 بلکہ قیادت اور اس غزوہ کے شرکاء کے لئے نفی حدیث کے مطابق بشارت معجز
 میں اسے شامل کر کے اس کی فضیلت اور مقبولیت خداوند پر کافی زور لگایا ہے
 اور اس حدیث کے تحت مہلب کے استدلال کو نقل کیا ہے جو یزید کی فضیلت
 بلکہ خلافت کے اثبات کے لئے کیا گیا ہے۔ میں نہ اس حدیث سے انکار ہے اور
 نہ اس سے کہ یزید اور اس کے علوم میں داخل ہے۔ اگر وہ اس غزوہ میں شامل
 تھا۔ لیکن ساتھ ہی اس سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ جیسے اس حدیث کا
 عموم سے مقبول میں داخل کر دیا ہے ویسے ہی بخاری وغیرہ کی دوسری احادیث
 کا عموم اسے مقبولیت سے خارج بھی کر دیا ہے جو ہم نے ابھی پیش کی
 ہیں۔ من میں خبر دی گئی ہے کہ میری امت کی بدکت چند قریشی لڑکوں کے ہاتھوں
 پر ہوئی۔ امت صبیان قائم ہوگی جو امت کے برگزیدہ لوگوں کے جان و

ملی اور آپ کو تلف کرے گی۔ اور یہ کہ یہ سلسلہ کا دودھ ہو گا۔ جس میں بزرگ کی امامت قائم ہوئی اور اس کے فعال سے علماء نے متعین کر دیا کہ حدیث کی اس عمومی خبر کا مصداق یہ ہے کہ ہمیں عباسی کی پیش کردہ روایت کے عموم نے اگر زیادہ کو درود مغفرت میں شامل کیا تھا تو ہماری پیش کردہ روایت کے عموم نے اسے اس دعوے سے خارج کر کے وعید میں شامل کر دیا اور حدیث کے عموم کی تخصیص کر دی۔ وہاں کہ مقتب نے بزرگ کو متعین کر کے اسے حدیث ثبات کا مصداق ٹھہرایا اور اس کی فضیلت پر استدلال کیا تو یہاں اس حدیث وغیرہ سے ابن حجر اور علامہ ابن عیینہ یعنی شریح بخاری نے بزرگ کو متعین کر کے اس کے نسخ پر استدلال کیا ہے وہاں صرف حدیث کا عموم اور اس سے استدلال ہے۔ یہاں حدیثوں کے عموم اور اس سے استدلال ہے۔ یہاں حدیثوں کے عموم کے ساتھ صحابہ کے اقوال اور تاریخی واقعات بھی ہیں جو بزرگ کی تعیین و تشخیص کے مؤیدات ہیں۔

دوسرے یہ کہ یہ حدیث عام ہے اور بلاشبہ اس کا دعوہ مغفرت بھی جہاد و قسطنطنیہ کے ہر شرک کے لئے عام ہے جن میں بزرگ بھی داخل ہے۔ مگر انہی قدرتی شرط کے ساتھ جو جہاد ایسے مواقع پر تو درستی کے تحت ممنوع ہوتی ہیں مثلاً حدیث نبویؐ جہاد شام ہے۔ اُمّی اُمّۃ من خِوَمۃ میری اُمت است مروم ہے (جس کے نام فرد کے لئے جو قیامت تک آنے والے ہیں اُمت اور مغفرت و عفو ہے مگر اسی شرط کے ساتھ کہ وہ اُمت ابابہ میں شامل ہیں اگر منہ اللہ کوئی مرتد ہو کہ موت فوت تک چلا جائے تو دوسری نصوص سے اس حدیث کی تخصیص ہو جائیگی اور وہ فرد اس دعوے سے خارج ہو جائے گا۔

اس سے اس حدیث کا یہ وعدہ قنوتی طور پر بشرط تیار اجابت ہوگا۔ مطلقاً نہ ہوگا۔ اسی طرح یہاں بھی جہاد قسطنطنیہ کے سب شرکاء کے لئے وعدہ مغفرت عام ہے مگر اسی طبعی شرط کے ساتھ کہ یہ لوگ انہی قبلی کیلیات، احوال اور باطنی نیت سے ہڈ ہڈ پر باقی رہیں جن کے ساتھ انہوں نے اس وقت جہاد کیا تھا۔ لیکن بعد میں اگر کسی کے قبلی احوال بگڑ جائیں اور تقویٰ کے وہ مقامات باقی نہ رہیں جو بوقت جہاد تھے تو طبعاً وہ حکم مغفرت بھی اس خاص فرد کے حق میں باقی نہ رہے گا۔ مثال کے طور پر مسلم و بخاری ہی کی ایک روایت کو لے لیجئے کہ آدمی اہل جنت کا محل کرنے کو جنت سے اتنا قریب ہو جاتا ہے کہ اس میں اور جنت میں داشت بھر کا فصل رہ جاتا ہے مگر نوشتہ تقدیر سامنے آ جاتا ہے اور وہ جہنم میں چلا جاتا ہے اور ایسے ہی برعکس۔ ظاہر ہے کہ یہ جنت و قنوت کی انہام کا تبدیل احوال کی تبدیلی ہی پر نہ ہے بلکہ اس شخص کی نیکی کے لئے رہنے کے لئے میں ہر شخص اسے یہی کہے گا کہ فلاں آدمی تو جنتی ہے۔ لیکن خود کیا جائے تو جنتی درحقیقت اس آدمی کو نہیں کہا جاتا بلکہ اس کے احوال و اعمال کو کہا جاتا ہے وہ جب بھی بدل کر جہنمی ہو جائیں گے جب ہی پہلا حکم بدل جائے گا۔ اور یہ شخص بھی جہنمی کہلانے لگے گا۔

تھیک اسی طرح جہاد قسطنطنیہ والی حدیث بشارة مغفرت کے عموم میں یہ دیکھیں مثال تمام اہل کے معنی یہ تھے کہ ان کے اس وقت کے احوال و اعمال قبلی یا منظور تھے الیہ یصلد الکلم الطیب والعمل الصالح یرفعہ جب وہ بدلے تو طبعاً وہ بشارت بھی اس کے حق میں باقی نہ رہی اب اگر بدلے ہوئے

حالات میں بھی کوئی پہلے ہی حکم کی بات لگائے جاسکے تو یہ شریعت کے اصول و قوانین کا معارضہ ہے۔ پس جب یزید کا اچھا حال تھا بشارت قائم تھی جب تک کہ گویا تو بشارت بھی اٹھ گئی۔

اب سوال اگر رہ جاتا ہے تو یہ کہ آیا یزید کے خلاف بدلے یا وہی سائبہ باقی ہے؟ تو اس کا فیصلہ تاریخ نے کر دیا ہے کہ بدل گئے۔ ابن خلدون اور بقول عباسی صاحب کے امام المومنینؒ نے ابن خلدون نے اس تبدیلی کا اعتراف اور اعلان الفاظ ذیل میں کیا ہے کہ:-

ولما حدث فی یزید ما حدث من الفسق اختلف العیابة فی شأنہ
 ورجع یزید عن وہ باتیں فسق کی پیڑ ہو گئیں جو وہی تھیں تو سماء اس کے بارگاہِ مفتوحہ پہنچ گئی۔

دوسری جگہ کہا:-

واما الحسن فامنا لما ظهر فسق یزید اعتدا کافۃ من اهل عہد بعثت شیعة اهل البيت بالکوفة المحسنات یا سیدہم فبقوم بالمرہ
 رہے حضرت حسین تو جب یزید کا فسق سب کے نزدیک کھل گیا جو اس کے دلا کے لوگ تھے تو اہل بیت کے شیعوں نے کوفہ سے حضرت حسین کے پاس پیام بھیجا کہ آپ تشریف لے آئیں تو ہم سب لوگ آپ کا امر قائم کریں گے۔

ان تصریحات سے واضح ہے کہ یزید کے حالات بدلے جو پہلے تھے وہ بد رہے اور اقتدار ائمہ میں آنے کے بعد ان میں فتنہ پیدا ہو گیا اور اسے خاک کے اس و سکون سے زیادہ اپنے اقتدار پر پھینچ کی فکر پڑ گئی۔ جیسے عونا مر دود میں پھونکا

اللہ مشاہد کرنا ہو تو اس صف میں دیکھ لیا جائے کہ عمارت سیاسی لینڈ عوام کی
غیر غریبوں کے ۵۰ روپوں لورڈ کنگ کی بیہودہ فوج کے مشورہ بانجا کر الیکشن جیتے ہیں
اور جو سکنا ہے کہ اس وقت وہ شخص بھی جہاں ہیں کی واقعی تہت کنگ اور عوام
کی خیر خواہی ہو۔ لیکن کامیابی کے بعد جب وہ کراچی پر پہنچے ہیں تو اکثر یہی دیکھنے
میں آتا ہے کہ ان کے ملکوت تبدیل ہو جاتے ہیں لورڈ اب انہیں اپنے پرستار
اور قتلہ کا تھامتا مقدم ہو جاتا ہے لورڈ وہ جسے سب کو خور لانا اور لانا
یہی ان کے استغناء (متوجہ) کی پچھلیک آؤں حد سے نقل جانا ہے
اس وجہ سے کہ اپنے آپ کو مستحق دیکھتا ہے یہ انسانی جبلت ہے دنیا کی اکثر
کی آج ہے ایسے ہی پہلے بھی رہا ہے کچھ معلوم ہے ہند ہی تمام غوار لنگتے
ہیں جو اس اقتدار کے نشہ میں اپنی عقل و فطرت نہیں کھو بیٹھتے۔

کابل اس فرقہ زاد سے اٹھانہ کوئی کچھ جیسے تو رہی رخنہ قصاص اور
اس سطر روید کی بہ تبدیلی دیکھنے عام ملک کے لحاظ سے کوئی اچھے کی
بہ ہیں پس جبکہ ایک طرف مشرق والی ریاستیں اور ان کی لاشی میں صاحب اللہ
رجال مابعد کی قصاصات اور ساتھ ہی تہذیبیہ امام المورسین کا اصرار اس کے
شاہ مسل میں کہ یزید کے حالات آخر کار بدل گئے تو عا سر ہے کہ حکم سابق کچھ
برقرار رہ سکتا تھا وہ بھی بدل گیا۔ کیونکہ کوئی بھی اچھا برا حکم آدمی کی وقت پر
نہیں لگتا۔ بد اس کے احوال و افعال اور اوسان پر لگتا ہے۔ اس لئے جو دنیا
یزید کے نسبت کے ہاں میں ملتی ہیں ان کی تقلید کے بغیر ہم انہیں اس کے
سابقہ احوال کا اثر کہیں گے۔ اور جو اسلام اس کی مذمت اور تفسیق سے

متعلق تھے ہیں ہم انہیں اس کے بعد کے احوال کا قیور کہیں گے جس سے ملت کے بیانات میں کسی تعارض کے خلو سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ مثلاً حضرت امیر معاویہؓ نے یزید کو ولی عہد بنایا گو بقول بن خلدون کے الفضل کو بیٹور کہ محصول کو اختیار کیا (خلافت معاویہؓ)۔

تاہم وقتی احوال کے قعاتوں سے وہ اس مصلحت کے اختیار کرنے پر ویانہ مجبور تھے جس کا بیان مورخین نے کافی وضاحت سے کر دیا ہے۔ سو وہ اس لئے کہ اس وقت یزید کے درملاں ظاہر نہ تھے جو بعد میں ظاہر ہوئے۔ اس لئے ان کا یہ انتخاب مصالح وقت بالکل حق رہا نہ تھا۔ اور ایسے ہی جن جن حضرات نے اس وقت اس کی ویوہری کو تسلیم کیا وہ بھی ہنگامی مصالح کے پیش نظر اور یزید کے سرکنوں کے ظاہر نہ ہونے کے سبب بالکل حق رہا تھا لیکن جو نہیں اس کے احوال بدلے اس وقت ان حضرات میں سابقہ حکام کی تبدیلی کے جذبات بھی ابھر گئے اور نقص بیعت کا مسئلہ بھی اٹھ کھڑا ہوا اور اس کے خلاف فریج کرنے کا رنک بھی قریب آگیا۔

قدوہ من رائی الخرف علیہ
فقون سبعة من احلہ ذلک
منہم من اباہ لہا قیہ من
اناسۃ الفتنۃ وکثرة الفس
مما لہو من لون وبلہ -
توان میرا سے جیسا کہ تو یہ جو چاہوں کرتی
اور اس کی جیت توڑ دینے کی دست دہ
اور بعض نے جس میں فتنہ اور شر مصل
دیکھ کر اور اس کی ایک تھام ہے اور وہی
کے اسی سے انہا رہا۔

(مقدور احمد نے اسے لکھا)

پہلے احوال کا نتیجہ اگر یزید کی بیعت تھا تو بعد کے بدلے ہوئے حالات کا شرعاً نقض بیعت کا تصور تھا پھر کسی نے عربیت سے اسے غلط کر دکھایا۔ اور کسی نے رخصت کے پیش نظر غلام کیا مگر جو جرأت مند فتنہ کے نہ کہ ابن ابیہ کے ہوئے حالات اور ان کے نتیجہ (عق پریدہ) سے افکار کہہ کے نیز جب تک اس کے حالات کا رخ بظاہر صریح رہا اس کے ساتھ موافقت و حمایت کی صورت قائم رہی جب ہی مخالفت کے جذبات ابھرے گئے۔ یہی صورت یزید کے منظور ہونے کے مسلمہ کی بھی سمجھ لی جائے کہ جہاد قسطنطنیہ کے وقت کے احوال بذریعہ اور تھے تو بشارة مغفرت و عری گئی۔ اور بعد کے حالات اور تھے تو وہ بشارة باقی نہ رہی جس کے یہ معنی ہونے لگے کہ وہ تبشیر مغفرت پہلے ہی سے ان احوال کے ساتھ مشروط تھی جو خدا معلق کی شان ہوتی ہے۔ لیکن اس سے بھی زیادہ واقعات سے اقرس اس بحث کی تشریح یہ ہے کہ جہاد قسطنطنیہ سے یزید کی سابقہ سیاست کی مغفرت کر دی گئی تو وہ منظور ہم میں حقیقتاً داخل ہو گیا لیکن بعد کی سیاست کی مغفرت کا اس میں کوئی وعدہ نہیں تھا اس سے آئندہ کے فوق کا حکم دوسرا ہو گا اس صورت میں منظور ہم کو ایسا ابدی حکم سمجھنا کہ یزید کے مرتے دم تک کے تمام فسق و فجور کی مغفرت ہو گئی یا وہ ہمیشہ کے لئے سیاست سے محفوظ اور معصوم بنا دیا گیا۔ صحت ذہنی اختراع ہے حدیث کا مدلول نہیں۔

اب یہ جیسا صاحب کی تاریخی روایت تھی ہے کہ انہوں نے "اہم المورثین" ابن خلدون کا یہ قول تو نقل کر دیا کہ۔

"تمام مہاجرین (یزید کی) ولیعهد کے جواز پر متفق تھے" (مترجم)

اور اسی نام الملورین کا یہ مقولہ بالکل نظر انداز کر گئے کہ یزدی کا فتنہ حادث
 ہونے پر صاحب اس کے بارے میں مختلف رائے ہو گئے۔ اور فقہ بیعت کا مسئلہ چھڑ
 گیا جیسا کہ اوپر ابن خلکان کی عبارت: بقتلہ ہم نقل کر چکے ہیں۔ پھر اسی طرح ہجرت
 صاحب نے وہ حدیث تو نقل کر دی جو تفسیر مغنوت پر مشتمل تھی اور اس کے عموم میں
 یزدی کی آیت تھی مگر وہ اہل حدیث نظر انداز کر گئے جو اس تفسیری عموم کی تفسیریں
 اور اس سے یزدی کے استثناء پر مشتمل تھیں جن کی طرف ابھی اشارہ گذرا ہے اور
 پھر اسی سنائی سے جو اسی صاحب نے حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی
 وہ عبارت تو نقل کر دی جو انہوں نے امیر معاویہ کے انقلاب و تبعہ ہی پر ان
 سے حکایت دفع کرنے کے لئے تحریر فرمائی اور اس میں یزدی کے بھی اس لحاظ کے
 اچھے حالات پر روشنی ڈالی کہ۔

حتیٰ کہ خود استنبول قسطنطنیہ پر بڑی افواج سے حملہ کرنے وغیر
 میں (یزدی کو) آزمایا جا چکا تھا۔ تاہم اس وجہ سے کہ معاہدہ عقیدہ
 میں یزدی نے کاروائی نہ کیا اور انجام دیکھا۔ ۱۰۶

(فتاویٰ معاویہ ص ۱۲۹)

لیکن حضرت مولانا ہی کی اسی یزدی کے بارے میں آگے کی عبارت پھر دیکھئے
 جو یزدی کے دوسرے حالات اور اس کے فتنہ و فحش سے متعلق تھی کہ۔

اس کے فتنہ و فحش کا دلانہ ظہور ان (حضرت معاویہ) کے سامنے
 نہ ہوا تھا اور ظہیر جو جاسوسوں کو کہتا تھا اس کی ان کو اطلاع

نہ تھی۔ (مکتوبات شیخ الاسلام صفحہ ۲۶۷، ۲۶۸)

بہر حال جس حدیث کا مضمون نیزہ کی منقبت کے سلسلہ میں عباسی صاحب نے لکھا،
وہ اندر سے پیش کیا اقول تو اس مضمون کی تفصیل خود حدیث ہی کے مضمون سے کر دی
اور نیزہ کو اس سے خارج کر دیا جو امارت صبیان اور امارت سہیل کی حدیث ہے
اس لئے ایک مخصوص منہ البعضی روایت سے خود اس بعض ہی کے بارے میں استدلال
کرنا کہاں تک اصولوں کے مطابق ہو سکتا ہے چودہویں ایسے عمومی احکام ہیں
قواعد شرعیہ کی رو سے جو ہمیں قیود و شرائط محفوظ ہوتی ہیں ان کے نہ پاس نہ ملنے
کی وجہ سے بھی نیزہ من منقبت کا مصلحتی نہ رہا جو منقبت سلسلے سے ثابت کر سکتی
کو شش عباسی صاحب نے کی کیونکہ بعد میں وہ بدل گیا اور اس میں بشارة سعادت
کی وہ شرائط ہی باقی نہ رہیں جن پر یہ بشارة طبعاً معلق تھی اس لئے اس حدیث اور
اس سے اخذ کردہ مہذب کے قواعد میں نہ عباسی صاحب کا کوئی حصہ باقی رہا نہ
مہذب کا۔ بلکہ ہم کی شرائط نظر انداز کر دینے کے سبب وہ حکم بنے عمل اور جہد و
جہاد پر۔ یہ استدلال ہی صحیح نہ رہا۔ اس سلسلہ میں قسط فی شہادت بخلاف
قول کی عبارت جہاد معروضہ کو کافی راستی میں لے آئی ہے۔ وہ فرماتے ہیں

دکان اہل عربی مدینہ قیصر
یزید بن معاویہ دعا جملہ من
سورۃ النکاح کا بن عمر دین
عباس و ابن الزبیر و ابن جریب
الانصار و قرقی و ہذا سنۃ اثنین
و ثمانین و ستۃ و اربعۃ و

استدل بہ مطلب حق ثبوت سے
 خلافة یزید و امتنا من اهل
 الجنة لدخول فی جہنم قول
 معذور لہم۔ و اجیب بان ہذا
 جار علی طریق الحیثیۃ یعنی اہلیہ
 ولا یطرح من دخول فی ذلک العو
 ان لا یخرج بدلیل خاص ولا خلا
 ان قول علیہ السلام معذور بہم
 مشروط بكونہ من اهل المنظرۃ
 حق لوامرئک واحد من غزاه
 بعد ذلک لہم بدخل فی ذلک
 اسودم اتعاقا قال ابن المنیر۔
 (قطلا فی مکہ)

استدل کیا ہے کہ وہ حدیث کے اس جملہ
 "معذور لہم کے عموم میں داخل ہے۔ اس کا
 جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ صرف بنی امیہ کی حدیث
 کے بذریعہ موت کہی گئی ہے اور نہ جس کے
 اس عموم میں داخل ہوتے ہیں۔ یہ لازم نہیں آتا
 کہ وہ کسی اور خاص دلیل سے اس سے خارج
 ہیں نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ اس میں کسی کا حوالہ
 نہیں کہ جس کا یہ قول معذور لہم رہا اور غلطیہ
 کے سبب شرعاً بخش دینے گئے، اس شرط سے
 مشروط ہے کہ یہ قول غفلت کے اہل ہوا جی کہ
 اگر کوئی شخص اس خودہ کے بدعت میں سے مرتد
 ہو جائے وہ بالاتفاق اس مشقت میں داخل نہیں
 رہے گا۔ یہ بات بن سیرتہ کہی ہے۔

انباء بہت سے واضح ہے کہ تشیبہ اور دوسرے لوگ جنہوں نے یزید کی
 فضیلت یا خلافت پر اس حدیث سے استدلال کیا ہے وہ ابن منیر اور قسطلانی کی
 کتابوں میں مشتبہ اور محذور ہیں جس کو انہوں نے بنی امیہ کی حمایت پر
 محمول کیا ہے۔ وہ کسی سے خلافت پر جو اسے ثبوت سے تعلق بھی کیا ہے یا کیا ہے
 بھی جنت کی بشارت مل جائے تو اس کی خلافت بھی اس سے ثابت ہو جائے گی
 اگر یہ ہے تو مشرکہ مشرک سب کی خلافت کا ثبوت بھی حدیث بکثیر جنت

سے ضرور ہونا چاہیے۔ درمیانیکہ ہم عرض کر چکے ہیں کہ مفسد لہم سابقہ سیاق میں سے متعلق سے ذکر آئندہ کی سیاق سے چرہ بانیکہ یہ مفسد لہم ونبی سے گندہ کہ اگر حق ایک ہی پہنچ جائے اور نہ وقت کے تحقق تک پہنچنے کے تو کوئی مفسد ہی نہیں وہ ہر ایک اور متعلق یا مفسد کو نسیخہ المسلمین بھی ہونا چاہیے۔ اور تیسری بات یہ بھی بقول ابن میسرور قسطانی کے اس میں سے صاف ہو گئی کہ اگر کوئی شخص مفسد مفسد کے مفسد میں داخل ہو جائے تو کیا ضروری ہے کہ وہ کسی دلیل خاص سے اس میں سے نکل بھی نہ سکے؟ اگر کسی کو مسلم دیکھتے ہوئے جتنی کہا جائے تو کیا اس کا ارتداد ممکن نہیں؟ اور ہے تو اس کے وقوع کی خبر پر کیا وہ جتنی مفسد کی بنا پر خود ہی ختم نہ ہو جائے گی؟ پس یزید اگر اسلام سے مرتد نہیں ہو تو تبصریح ضروری اسلام آئندہ کیفیت و احوال سے تو ضرور مرتد ہو گیا تھا جو خود انفسانہ کے وقت اس میں مان لی جائیں کہ تھیں۔ اس لئے ان کیفیات سابقہ کا حکم بھی اس کے حق میں بالی نہ رہا جو عموم بشریت سے تمام ہوا تھا۔ مگر یہاں بھی جیسا کہ صواب نے وہی تاریخی صنعت گری دکھلائی کہ قسطانی کی جو حدیث یزید کی حد سے متعلق تھی۔ نظر انداز کر دی۔ حالانکہ قسطانی ہی کی حدیث وہ بھی ہے جس میں پہلا صفحہ علامہ سعد الدینی قضا زانی کے قول سے یزید کے قتل حسین پر خوش ہونے کو حق اور ثابت اور ہر ایک کے فق اور امانت اہل بیت کے واقعہ کو متواتر المعنی ثابت کیا ہے جیسا کہ یہ سب اسود تفصیل کے ساتھ گذر چکے ہیں۔ مگر جیسا کہ صواب کا نام بھی رسیخہ میں ناتمام تاریخی نمونوں کے سوا ان کے تکمیل کنندہ تاریخی مفسد کا گندہ ہی و شہد تر ہے۔ کہ صبیحہ تاریخ اور اس کا صبیح مقام معاصر ہو چکے کہ مفسد

تاریخ سے زیادہ اپنے نظریات کے مسلط رہتے ہیں۔ چنانچہ مآخذ مسلم محدثین کے ساتھ غیر مسلم مؤرخین بھی ایسا اندر شائد ان کی نگاہ میں وہی ہے گوگ اور زیادہ مصنف قسم کے مؤرخ ہیں۔ ساتھ ہی یہ بھی ملحوظ خاطر ہے کہ صاحب عمدۃ القدری شارح بخاری نے مہذب کی اس حدیث سنن ابی داؤد میں پرکتہ چینی کرتے ہوئے اسے تسلیم ہی نہیں کیا کہ قسطنطین کے جس غزوہ میں اکابر صحابہ شریک ہوئے تھے وہ یزید کی قیادت میں ہوا تھا جبکہ یزید اس کا اہل ہی تھا کہ یہ اکابر صحابہ اس کی خدمت اور قیادت میں دیوئے بائیں رحمۃ قدری کی پوری عبارت کا حشر یہ ہے۔

وذكر ان يزيدي بن معاوية غزا	اور ذکر کیا گیا ہے کہ یزید بن معاویہ نے غزوہ
بلاد الروم حتى بلغ قسطنطينه	میں پہنچا کیا یہاں لکھا کہ وہ قسطنطین تک پہنچا
معه جماعة من سادات الصحابة	اور اس کے ساتھ سادات صحابہ کی ایک جماعت
منهم ابن عمرو بن عبد مناف	تھی جن میں سے ابن عمر ابن عبد مناف
الزبير و ابو ايوب الانصاري	اور ابویوب انصاری بھی تھے۔ جن کی وفات
وفات ابی ايوب الانصاري هناك	قسطنطین کے دیور کے قریب ہوئی اور وہی
قرباً من حدود قسطنطينه وقبره	ان کی قبر بھی گئی جس سے فقط کے وقت لوگ
هناك تسقى به الروم اذا قطوا	توسل کر کے وہاں سے پانی نکالتے ہیں۔
وقتل صاحب المرأة والاصحوان	اور صاحبہ اور اصحوان
يزيد ابن معاوية هذا القسطنطينه	یزید ابن معاویہ هذا القسطنطینہ
في سنة اثنى عشر وخمسين	فی سنۃ اثنی عشر وخمسين

وقیل سیر مغاریہ وچکا مع سڈیا
بن حوق الى القسطنطينية فاعلوا
فی بلاد الروم وكان فی ذلک الجیش
ابن حیس و ابن عمرو بن الزبیر
و ابو العجب الانصاری و قوی ابو ایوب
فی مدینة الحصار۔

قلت الاخرهم ان هؤلاء السادات
من الصحابة كانوا مع سفیان حتی
جاء یحییٰ بن عمار و یونس بن
أحمد بن یونس هؤلاء السادات فی خلافة
و قال الملقب فی هذا
الحديث منقبة الحارثية لانه اول
من هذا البهو و منقبة لولڈ یزید
لانه اول من غزا مدینة قیصر
استحق۔ قلت ای منقبة کا جسے
لیزید و حالہ مشہور فان قلت
تکل علی اللہ علیہ وسلم فی حق
هذا الجیش۔

مغفور لہم۔ قلت لا یلزم صرف

قسطنطنیہ پر چڑھائی بلکہ کیا لشکر بھیجا جس کے
امیر سلیمان بن حوت تھے جنہوں نے بشت تمام
کے علاقوں پر حملہ کیا اسی لشکر میں ابن عباس
ابن خرازمی ابو یوسف اور ابو یوسف انصاری تھے
اور ابو یوسف اسی حصار میں مصروف قسطنطنیہ میں
دو مہینے وفات پا گئے۔

میں کہا ہوں صاحب المراقہ کھلی ہوئی بات
یہ ہے کہ یہ اکابر صحابہ میں سلیمان بن حوت
کے ساتھ تھے جریر کے ساتھ نہ تھے۔ کیونکہ جریر
اس کا اہلی نہ تھا کہ یہ جیسے جیسے اکابر ان کی
فطرت میں وضاحت کی حیثیت سے صاحب۔
جسٹس لکھا کہ اس حدیث شریف سے منقبت
مروزی کی منقبت ثابت ہوتی ہے کیونکہ مروزی
نے ہر سب سے پہلے مدینہ کی جگہ طوی۔ اور ان
کے بیٹے یزید کی منقبت بھی لکھتی ہے کیونکہ ان
نے سب سے پہلے قیصر کے اس شہر قسطنطنیہ
پر حملہ کیا۔ میں کہتا ہوں (صاحب مراقہ) یہ
کا ذکر کسی منقبت میں (مروزی) ذکر ہوتی ہے
اس کا حال (مروزی) مشہور ذکر ہے کیونکہ

دعوت فی ذلک العہد انہ لا یفسد
بدلیل خاص لا یختلف اهل العلم
ان قولہ صلی اللہ علیہ وسلم مغفور لکم
مشروط بان یکونوا من اهل المعصیۃ
حتی لو لم تکن واحد من غزاهما
بعد ذلک ثم یدخل فی ذلک الصی
فذل علی ان المراد مغفور لمن
شرط المعصیۃ لا فی جملہ۔

لما کہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لشکر کے حق میں
مغفور ہم فرمایا ہے تو میں یہ کہوں گا کہ اس جرم
میں یہ بڑے مکہ داخل ہونے سے یہ جرم نہیں آتا
کہ وہ کسی دوسری دلیل سے اس سے خارج بھی
ہو سکے۔ کیونکہ میں میں ترغیب کا کوئی اختلاف ہے
نہیں کہ حق کے قول مغفور ہم میں وہی داخل ہیں
جو معصیت کے بل ہیں حتیٰ کہ اگر ان غزوہ کنندہوں
میں سے بعد میں کوئی شخص مرتد ہو جائے تو یقیناً ان
بشارت کے عہد میں داخل نہ رہتا تو اس سے معاف

بعد لا الفاری ص ۲۶

وایہ ہے کہ راجحہ کی ہے کہ جہادینہ نام کی معصیت کی گئی اس شرط کے ساتھ کہ ان
میں معصیت کا شرط پائی ہو۔

اس عبارت میں علامہ علی نے قول تو مہذب کی مراح سرائی کی حقیقت کھول
دی اور فرمایا کہ یزید کی وہ منقبت ہی کیا تھا اور اس کے فضائل ہی وہ کون سے
تھے جن پر طبع سرائی کی جانی جبکہ اسکے فسق و فجور کا حال سب کو معلوم اور مشہور
ہے اور دوسرے یہ کہ مساوات صحابہ میں غزوہ میں شریک ہوئے وہ سفیان بن عوف
کی قیامت میں ہوا ہے نہ کہ یزید کی سرکردگی میں اور عیسوی یہ کہ حدیث نبوی
میں جو حدیث معصیت وارد ہے اس کے عہد میں وہی داخل ہونے جائیں گے
جو اس بیان کی اہلیت رکھتے ہوئے تھے یزید نے اس کا اہل ثبات نہ ہونے
معلوم میں داخل رہا۔

ٹھیکہ سیطرح مہذب کا قول یہ دیکھ کے بارہ میں نقل کر کے اس کا یہی جواب
 مانفک ابیہ جگر نے فتح الدارہ ایلیں بھی دیا ہے۔ بلکہ بولتا بھی تفرقہ باہمی ہے جو
 حرمۃ انکاری کی ہے۔ ملاحظہ ہو فتح الدارہ ص ۱۵۴ جس سے واضح ہے کہ عل و علیہ
 لکھ مانفک ابن حجر مستطانی اور انہوں نے جن اکابر علماء کے اقوال نقل کئے ہیں وہ
 سب کے سب نہ مہذب کی اس روئے سرائی کو تسلیم کرتے ہیں نہ بیانات معفرت
 کو نزدیک کے حق میں مانتے ہیں اور نہ ہی سب سے سب اس پر پڑنے جہاد میں
 سادہت سہا کی شرکت مانتے ہیں جن پر بزرگ کی قیادت قائم رہی ہو اور اس
 عباسی صاحب پر یہ کی امارت و خلافت کے حق ہونے پر استدلال کر سکیں ان علماء
 معتزلت کے لئے جوئے عباسی صاحب کی اس تاریخی ریسرچ میں مطلب کھلا ہو
 تاریخی کمزوریوں کا لے لیا جائے اور اس سے متعلق انہی کتابوں اور مصنفوں کی فیصلہ
 کن جہاد کو نظر انداز کر دینا کہاں تک تاریخی ریسرچ کے مقصد کا مستحق ہو
 سکتا ہے؟ اور تاریخ کے ان تمام بلکہ ایک حد تک مابعد سے ترسیم شدہ ٹکڑوں
 سے کس طرح پرزہ کے مناقبہ، تقویٰ و طہارت اور اس کا اپنے کردار میں عمر ثانی
 ثابت ہونے لگا۔

بہر حال علامہ عین کے کلام سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ اس تاریخی بحث غزوہ
 قسطنطنیہ میں پرزہ کی امارت و قیادت کا دوسری یقینی طور پر ثابت شدہ نہیں بلکہ
 عینی کے نزدیک اقوال میں اس قول یہی ہے کہ پرزہ کی شرکت تو اس طرح میں
 ہوئی مگر قیادت نہیں ہوئی کہ یہ اکابر سچا بہ اس کے ہاتھ میں ویدیتے ہوئے
 پھر یہ شرکت کس نوعیت کی تھی؟ سچا بہ اس پر ائمہ شیعہ رضائی و آلہی

کہ پڑیا اس جہاد میں خود اپنے دایرہ سے شریک نہیں ہوا، اگر اپنے والد بزرگوار کے حکم سے لودراہوں نے یہ حکم نہیں سنے اگر دیا تو تعزیراً دیا تاکہ اس کی پیش پستی پر کہ ان زور پر سے اور اسے اس تعیش پر نہری اور عنفیت پر نہری کی منزل جائے چنانچہ ابن اثیر لکھتے ہیں۔

اور انہی صحابہ میں اور کہ گیا کہ صفہ میں

حضرت معاویہ نے ایک شکر جلد دوم کے

ملا توں میں بھیجا تھا اس پر امیر لشکر سعد بن

بن عوف کو بتایا اور اپنے بیٹے پڑیا کو حکم

دیا کہ وہ ان کے ساتھ طرہ میں شامل ہو

تو پڑیا بیٹھ رہا اور چلے پہلے شروع کئے

تو امیر معاویہ اسی سے بھیجے سے تک ملے۔

اس لشکر میں لوگوں پر حدک طرہ تیار رک

وہاں جہاد پڑیا تو بربر سے دشمن کش ہو

کہا کہ۔

مجھے پڑیا میں کہ ان مستکون پر یہ بخند نہ

کا لاکھ فرود دھام مقامی تھا آپا ہی۔

جگہ میں دیر سزاں میں اور نچی سند پر تکیہ

لگائے م کثوم کو اپنے پاس لے بیٹھ ہوا

م کثوم رشتہ جہاد نہ نہری پر یہ کہ بیٹا

فی هذا السنة وقيل سنة

خمسین مائة معاوية حيث

كنيفاً في بلاد ادموم الغزاة

وجعل عليه حد سليمان ابن عوف

وامر ابنه يزيد بالانطلاق اليه

فتقاتلوا عتلاً فامسك عنه اهل

قاصد ادموم في غزاة تهمد جوع

ومر من مشاهيد لانشاء يزيد

يقول -

شعر:

ما اصابني لانت جود عه

بالمشقة من حتى ومن حرم

اذا اتيك على انشاء مرقف

هلا في مزارع حندی امر عشم

ام كلثوم امواتة وهي اجنة

اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ شدت مغفرت کے علوم سے انجام کار باہر ہو جانے کے متعدد ابتداء کی سے نمایاں ہونے شروع ہو گئے تھے جس سے مغفور علم کے علوم میں اس کے داخل ہونے کی حقیقت بھی کافی کھل جاتی ہے۔

بہر حال عمومِ بشر اور میں و خدا کے بارہ میں ابن حجر اور ابنی نے کہا کہ اس کی شرائط نہیں پائی گئیں اس لئے یزید اس سے خارج ہے۔ جہاد قسطنطنیہ کی قبلاۃ ہمیش کے بارہ میں علی نے کہا کہ واضح یہ ہے کہ وہ سفیان بن سوہب کی قسمی یزید کی نہ تھی۔ اور یزید کی یہ شرکت بھی تو ستر کی نوعیت کی تھی جہاد کے شرفِ عقب سے کئے جانے کی نہ تھی جس کے ار پر سے علی نے پردہ اٹھا دیا تو سمجھ میں نہیں آتا کہ اس جہاد قسطنطنیہ والی حدیث سے یزید کی آخر کون سی فضیلت منقبت ثابت ہوئی اور منقبۃ یزید و حال مشہور ہے چاہے ایک منصب کی دعویٰ کردہ خلافت یزید اس سے ثابت ہو۔

یہ بات ہے کہ ہم شروع سے عرض کرتے چلے آ رہے ہیں کہ عباسی صاحب نے کچھ ذہنی نظریات اور منصوبے پہلے سے قائم کر لئے اور اس کے بعد تاریخ سے ان کے موجدات تلاش کرنے شروع کر دیئے توجہ مرکوز بھی آدھارتابی مونی طلب ملے یہاں اور مستشہاد میں پیش کر دیا اور جو مؤید نہ ہو خواہ وہ اسی اختیار کردہ ٹکڑے کا جنہو کیوں نہ ہو اسے ترک کر دیا۔ اس سے کتاب میں تاریخی حوالوں کی بھرمار تو کافی ہو گئی۔

— جو تاواقفوں پر رعب ڈالنے کیلئے کافی قسٹ مگر تاریخی دیانتت پر بھری کے ذریعہ جو گئی اس کے کھنے ہی لئے ہم اس مقالے میں پیش کر چکے ہیں اور

وہاں عباسی صاحب کے اس طرز عمل پر تنبیہ بھی کرتے رہے ہیں۔ لیکن ان میں واضح ترین نمونہ اس حدیث بشارۃ کی تفسیر و توضیح کا ہے جس میں عباسی صاحب ایک ہی روایت کے ایک ٹکڑے کو اختیار کر کے جبکہ وہ موافق مطلب ہے دوسری روایت کے دوسرے جز کو ترک کر رہے ہیں کہ طرہ کے موافق نہیں۔ تو کیا یہی وہ تاریخی صنعت ہے جس پر ایمان لانے کے لئے دنیا کو مجبور کیا جا رہا ہے۔

بہر حال حضرت حسین رضا اللہ عنہ کے اس اقدام پر جو بیکارہ حیریدہ دین سے کہہ کر کے میدان تک چیلہا ہوا ہے۔ تاریخ، فہرہ، حدیث، کلام اور عقل کے رستہ سے کسی الزام و تہام کی گنجائش نہیں نکلتی۔

(۱) کیونکہ اول تو یرید کی بیعت ہی اجمالی نہ تھی متعدد دیگر وہوں خصلوں اور مطلقوں نے بند رہی ہے اسے قبول نہ کیا تھا۔ جس میں حضرت حسینؑ بھی شامل ہیں اس لئے نہ پریرہ کی اطاعت ہی واجب نہ تھی کہ خروج و بغاوت کا سوال پیدا ہو۔ خروج و بغاوت کی مذمت اور مخالفت نہ ترمیم بیعت کے بعد ہے اور جبکہ حضرت حسینؑ رضی اللہ عنہ وہ ان کے دوسرے بیعت سے ہم خیال ہو گئے سے پریرہ کی بیعت ہی قبول نہ کی تھی تو حق پر اس کی اطاعت ہی واجب نہ تھی کہ وہ خروج و بغاوت کا عمل قرار پائیں اور اس کی رستہ ان پر مہم نہ گئی مصیبت کا تہام نہ لگا جائے۔

(۲) اور پھر بھی اگر اس اقدام کو خروج و بغاوت ہی فرض کر لیا جائے تو جبکہ وہ امیر کے متعلق فسق و فجور میں کی امانت شیوہ و کبر اور رت صبیان صفا اور ان کی اطاعت کے سبب اضاعت دین ہونے کی بنا پر بھی سب کے

جوتے ہوئے سمجھ و لامتہ امیر باقی ہی نہیں رہتی تب بھی اس پر خروج و بقا کا الزام نہیں آسکتا کہ یہ اسلامی قدم تھا جو ضروری تھا کہ باقیہ اہل اسلام۔
(۳) لیکن اگر خواہی و خواہی اسے خروج و بقا سمجھیں ہی کا لقب دیا جائے تو حسب تصریح حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی قدس سرہ قرن اول کے باقی مظلوم کا حکم مجتہد غنوی کا ہے جس پر اسے ایک اجر ملیگا (اللہ اعلم بالصواب) جو معصیت اللہ مخالفت شریعت پر کبھی نہیں مل سکتا۔ اس نے اس صفت میں بھی حضرت امام کے اس اقدام کو غیر شرعی اقدام نہیں کہا سکتا کہ ان کے باوجود عند اللہ اور شہید مقبول ہونے میں کسی تامل کی گنجائش ہو۔

(۴) رہیں وہ احادیث جن میں باوجود امیر کے شدید فسق و فجور کے بھی اس پر خروج و بقا کی شدید ممانعت آئی ہے اور ان ہی کی وجہ سے عباسی مسلمان نے حضرت امام پر الزام خروج و بقا لگا کر ان کے اس اقدام کو شرعاً ناجائز قرار دیا۔ لیکن ان احادیث کا جو جواب وہ احادیث ہیں جن کی مد سے امیر کے ظہیر شرعی یا مخالفت شریعت اقدامات سے اس کی سمجھ و لامتہ اٹھ جاتی ہے اور معصیت خالق میں ملامت مخلوق باقی نہیں رہتی جس کا حاصل یہ نکلے گا کہ جہاں تک امیر کے ذاتی فسق و فجور کا تعلق ہے وہ کتنا بھی شدید ہو خروج کی شدید ممانعت ہے اور جہاں تک اس کے متعلق فسق و فجور کا تعلق ہے جس کے نظام دیانت ختم ہونے کے تو امیر کی مخالفت موصوف ہائے بکرہ استقامت کی مدد تک ضروری ہے۔ اس لیے ممانعت خلافت کی حد میں امیر کے ذاتی فسق و فجور پر محمول ہوں گی اور اہل امت خلافت کی حد میں یا کسی سے متعدی اور جماعتی

فلسفہ فخر پر جس سے روایات میں کوئی تعارض نہیں رہتا۔ درندہ ہی حضرت امام ہمام کا یہ اظہار ہے جس سے کسی ایک روایت کے خلاف ٹھیکہ رہا ہے کہ ان کے اس فعل پر ناجائز یا نامناسب ہونے کی تہمت لگائی جائے جو ڈوڑھی کے منہ میں گھس کر جیسا صاحب نے ان پر لگا لی ہے۔

اب علامہ بحث یہ نکل آیا کہ یزید کی شیعہ حرکات اور اس کے فاسقانہ افعال تصویفیہ اور تعویفیہ سے واضح ہیں جن کی وجہ سے فلسفہ فخر پر بدکار مسدود محض نہ بنی نظریہ نہیں رہتا جبہ مؤرخین نے محض تاریخی ریسرچ کے طور پر قلمبند کر دیا ہو بلکہ حدیث و فقہ کی وجہ سے ایک حقیقت ثابت ہو جا رہی ہے جس کے بنیادیوں کتاب و سنت میں موجود اور ان کی تفصیلات صمد اور انتقام کے کلاموں میں محفوظ ہیں۔ اسی لئے اسے نقل کرنے پر حکم لگانے اور اسے ثابت کرنے کے لئے محض مؤرخ نہیں بلکہ محدثین فقہاء و متکلمین آگے آئے اور انہوں نے اسی مسئلہ پر کتاب و سنت کے اثبات اور فقہ و کلام کی تصریحات سے احکام مرتب کئے ہیں سے اس عقیدہ ہونے کی شان نمایاں ہوئی ظاہر ہے کہ عقیدہ کے خلاف تاریخی نظریہ کسی کا بھی ہوا اپنے بطلان پر خود ہی گواہ ہوگا۔ اس لئے عقیدہ کے مقابلہ پر ہر صورت تاریخ کو ترک کر دیا جائے گا یا اس کی کوئی توجیہ کر کے عقیدہ کی طرف اسے رجوع کر دیا جائے بشرطیکہ تاریخی روایت کسی ثقہ کی طرف منسوب ہو۔ اس لئے یہ عقیدہ ہر صورت محفوظ رہے اور عقیدہ ہی ظور پر اسے محفوظ رکھا جائے گا کہ سیدنا حسینؑ صوابی بیل و راہل بیت رسول صوابی ہونے کی وجہ سے تقی نقیب۔ تقی ابیہاشم۔ زکیٰ نسبہ۔

علیٰ الشبب۔ دینی، اعظم، صلحی، الاخلاق اور قوی العسل تھے۔ اس لئے اس وقت اور ملت
والجاست کے مطابق ان کا ادب و احترام ان سے بہت معیت رکھنا۔ ان
کے بارے میں بدگوئی بدظنی، بدکامی اور بدانتہادی سے بچنا فریضہ شرعی ہے۔
اور ان کے حق میں بدگوئی، بدظنی رکھنے والا فاسق و فاجر ہے۔ پس جیسے
کسی صحابی جلیل کا بوجہ شرف صحابیت تقی و تقی ہونا عقیدتنا و جب التسليم
ہے۔ یہی صحابی کے حق میں کسی کا بدگوئی یا بدعقیدتی کی وجہ سے فاسق و
بھی عقیدتنا ہی واجب التسليم ہے کہ دونوں کی ان کیفیات و احوال کی فیریں
کتاب و سنت و فہم و کلام میں موجود اور محفوظ ہیں جن کی رو سے حضرت جلیل
ظہر مسلمین میں محبوب و مقتدر ہوئے اور پڑ پڑے فسق و فجور کی بدولت ظہر
ہیں مغضوب اور مستوجب مذمت و طاعت بن گیا۔ اس ساری بحث کا خلاصہ
جس میں ایک طرف تو کتاب سنت و حدیث اور علماء راہنہیں ہیں اور اسی کے
مقابلہ دوسری طرف عباسی صاحبہ ہیں یہ نکلتا ہے کہ اللہ و رسول اور ان کے
ورثہ تو امام حسین رضی اللہ عنہ کے بارے میں بوجہ صحابی اللہ بوجہ علی بیت
کے یہ ارشاد قرآنی کہ :-

وَرَضِیْ وَرَضِیْ وَرَضِیْ وَرَضِیْ وَرَضِیْ وَرَضِیْ وَرَضِیْ وَرَضِیْ وَرَضِیْ وَرَضِیْ
کے ہیں جن کی ولایت میں ان کے یا ان کے کسی بعد اس کے تصنع اور بناوٹ
پا پوہ پکینڈہ کا کوئی دخل نہ ہو۔ ان کا محبوب ترین مقام ایمان کامل اور آزمودہ
خطا و مہم کی صفوی تھا جس کے معنی فراست، ایمانی اور معرفت حق شناسی کے ہیں
جس کے ساتھ دنیا سازی، دنیا کا وقت، غرضی جمع نہیں ہو سکتی۔ ان کا

تبی ریح کفر و شوق اور حسیان سے نفرت کی طرف تھا جس کے معنی رشد و نور راشد کا
 ہے۔ یہ صمدی عہد شکنی اور نڈاری سے متفرک ہے۔ وہ ہر وقت اشد ار علی الکفار
 درہم و جہنم میں رہتا تھا جس کے معنی مسلم آزادی سے علی بچاؤ اور کسی کی حق گفتی
 سے کمال گریز کے ہیں۔ وہ ہمیشہ صفت و کثرت شہداء و سچو و انابت ان لشک کے
 مقام پر قائم رہے جس کے معنی کبر و خوری و خود ستائی اور شیخی بازی سے کمال گریز
 کے ہیں۔ وہ پوری اہمیت کے لئے جو مہدائیت میں سے تھے جن کی اتنا مطلب
 شرعی اور اقد سے اہتدار و عدو شرعی ہے جس کے ساتھ دنیا کی اندھی سیاحت
 تعصب و اعتراض و تضاد اور ان پر ضد و ہمدردی نہیں ہوسکتی۔ شیخ کا ایک
 شعر ہے: "وہد والو اسے پہاڑ جیسے صداقت سے کہیں زیادہ اونچا تھا جس سے ان
 کو افضلیت دینا صحابہ پر علی الاطلاق ثابت ہے۔ وہ پوجہ وائی باہمیت ہونے
 کے ان میں سے تھے جن کے بارے میں اللہ نے جس تعجب اور تعجب باطن سے
 ان کی نظیر کا رد کیا جو اسے تھا اور رسول نے اسی کی نہیں دعا دی ہوئی
 تھی اور اللہ کا ارادہ مزوسے متغیر نہیں ہو سکتا اور نبی کی دعا رہنے اہمیت
 میں رد سکتی جس سے وہ جس قدر باطن سے پاک ہو چکے تھے۔ لیکن عباسی
 صاحب نے اپنی "تاریخ دوسرے" اور "بے لگ تحقیق کے معجزات میں جو کچھ
 فرمایا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ امام حسین بناوٹی ولی اللہ تھے جنہیں مدد والوں
 نے ولی اللہ کے رُپ میں پیش کر دیا تھا۔ وہ دانست کی کمزوری سے معرقتی و
 حق باطن سی کا شکار تھے (جو پشیمان کے) "ام حق کو جس نے پہچان سکے، وہ
 عہد شکنی مطلب پرستی کے جوش اور بغاوت جیسی اجتماعی نڈاری کے جرم کے

مرکب تھے۔ کچھ ایک ٹانے جوئے خلیفہ برحق نور بہ دایع کروانہ کے امام کی حق
تعلیٰ کے سب سے نہ پہنچ سکے کہ اس کا رقبہ ہیبت لکھے میں ڈال لیجئے۔ وہ خود
شیشی نازی اور خود تیت جیسے جراثیم کو دل میں پالے ہوئے تھے۔ وہ وقت کی
کوری سیاست اور مطلب ہمارے کی غیر مقبول جب ہمارے میں گرفتار تھے۔ ان کا
صوابی ہوتا ہی شہر تھا کہ غیر صوابی شہر نازی پر ان کی فوقیت و فضیلت کا تصد
بانہا ملے۔ خصوصاً ان کو جو یوں کے ساتھ۔ وہ طلب حکومت و ریاست
میں مقتضیات زمانہ اور حکام خراج کی نظافت منی اور ناباؤ و مائتہ کو بھی
پردہ نہیں کرتے تھے۔ وہ ایک سموی قسمت اکرام نامی اور پچاس ہی سے صلح
جوئی کے بخلاف متحدہ ہندی کے خصالی ملے ہوئے تھے۔

اب اٹلندہ کہئے کہ کتاب و سنت اور سلف کے فرمودہ کا حاصل تو
وہ ہے جو اوپر ذکر کیا گیا اور وہی مسلمان کا حقیقہ ہے۔ اور جو اسی صاحب کے
فرمودہ کا حاصل یہ ہے جو سطور بالا میں آپ کے سامنے آیا اور یہ ان کے تاریخی
فقریات ہیں ان عقائد اور ان نظریات کو سامنے رکھ کر کیا۔ یہ کہنا صحیح ہے
کہ یہ ایک تاریخی ریسرچ ہے۔ اس کا عقیدہ و مذہب سے کوئی تعلق نہیں
اور اس میں عقیدہ و مذہب کی بحث کو بے بیٹھا ضبط سمجھتے ہیں۔ اگر اسی
دونوں باتوں میں تضاد کی نسبت ہے اور بلا شبہ ہے کہ عباسی صاحبین
کو معمولی آدمی بتلا رہے ہیں اور کتاب و سنت پر معمولی وہ انہیں بنا دئی
ولی اللہ کہہ رہے ہیں اور کتاب و سنت انہیں حقیقی ولی اللہ ہی نہیں۔ بلکہ
کی امت کے سارے اولیاء سے ناقص بتلا رہے ہیں۔ عباسی انہیں مطلب پرست

کہہ رہے ہیں اللہ کرتا، لیکن سیدہ عائشہؓ فرما رہی ہیں کہ یہ سب جادو والے
جملے ہیں۔ کہ کتاب وسنت، انہیں اس کی اصلیت پتا نہ کہہ رہے ہیں۔ عرض دو
اتحاد کی دو باتیں ہیں جو آپس میں جھگڑتی ہیں، علامہ نے انہیں
صاحب کے نقطہ نظر کو صحیح میں لے جایا تو کہہ کر منہ سے ان کا حوالہ
کی صحت کبھی برقرار نہیں رہ سکتی۔ یہ ایک تاریخی ریسرچ ہے، ان کے نقشہ بدل
جائے اور قرآن و حدیث کی خبریں کا نام محتاج ہو جائے۔ یہ سب کچھ ہے۔ جس کو یہ تو
ایک تاریخی ریسرچ ہے اس کا عقیدہ و مذہب سے کیا تعلق کسی قرآن و حدیث کے علم
بیانی اور تفسیر کو ہٹانے کے قریب لے کر آیا کام نکالنا ہے۔

اندرین سورہ، جبکہ حنیفہ و نظریہ میں تقابل اور تضاد کا موضوع پیدا ہوا ہے
تو اس اصول کے مطابق جو ہم ابتدائے مقابلہ میں عرض کر چکے ہیں، عقیدہ
سواصل اور مشروط رکھ کر مقابلہ تاریخی ریسرچ ہی کو روک کر یا ہٹانے کا سوا
سم و کھلا چکے ہیں کہ تاریخی ریسرچ نہیں ہے بلکہ نظریاتی ریسرچ ہے۔
جس میں تاریخ کے شکیبوں سے نظریات کی تائید میں آجائے، لہذا دائرہ اشعار
اسی کی گنجی ہے اور تاریخ کا ضمیمہ سے ضمیمہ بلکہ دوسرے ضمیمہ بھی
موافقہ مطلب نظر آئے تو لے لی گئی ہے اور کوئی سے قوی روایت بھی مولوی
مطلب نہ ہوئی تو چھوڑ دی گئی ہے اور چھوڑ دی ہوئی روایتیں بھی اکثر
اور تقریب کے ساتھ استمول کی گئی ہیں۔ جس کے چند نمونے پیش کئے جا
چکے ہیں۔

یہی صورت جمہوری صاحب نے خود کے بارے میں بھی اختیار کی ہے جمہوری

صاحب کہتے ہیں کہ میرزا محمد کفر فاروقی بعد مادم امیر ترقی اور صیباہ و صافیتہ ہیں کہ وہ متعلق علیہ غایت حق نہیں۔ اب یہ صاحب فرماتے ہیں کہ اس کی اہمیت نصابِ دانش کا نمودار تھی۔ عادیث سے اشارہ ملتا ہے کہ اس کی اہمیت اہمیت سبباً تھی جس میں رشد و لوگوں کو مسلمان کر کے رکھ دیا گیا تھا۔ عباسی صاحب کہتے ہیں کہ میرزا یہ کی حکومت کا تبدیل خدمت غلط گویا اہل سنت و جماعت اور عادیث سے اشارہ ملتا ہے کہ ان چند قریشی بزرگوں کے ہاتھوں خلافت کی تباہی مقصد تھی۔ عباسی صاحب کہتے ہیں کہ میرزا کے ہاتھ پر سحاب کی تہذیب کی بیعت اس کی کراہی کی حوی کی وجہ سے غلطی مہم تھیں۔ سورج سے کہتے ہیں کہ اسے غایت سمجھ کر فتنہ سے بچنے کے لئے تھی۔ عباسی صاحب فرماتے ہیں کہ میرزا غلطی یہ تھی تھا اس لئے اس کے مقابلہ پر امام حسین اہل تھے۔ سلف دناہین کہتے ہیں کہ میرزا خود باغی تھے تھا اس لئے امام کا خروج برحق تھا۔ عباسی صاحب فرماتے ہیں کہ میرزا حسن المعاشرہ اور پاکیزہ خصال تھے۔ محقق مؤرخین کہتے ہیں کہ وہ تنہا پرست اور نازک مملوۃ تھا وغیرہ وغیرہ۔

موضوعات کے بارے میں بھی احادیث کے طوری شالوات سلف کی تقریرات اور مؤرخین کی تفصیلات ایک طرف ہیں اور عباسی صاحب کے نظریات ایک طرف اور نئی ہر ہے کہ جس مسئلہ میں بھی کتاب و سنت کا دخل ہو جائے خواہ وہ عبارت ہو یا دلالت تو اشارہ اس میں عقیدہ کی شان پیدا ہو جاتی ہے پس حضرت حسین اور یحییٰ سے متعلق یہ عقائد کسی بھی درجہ اور تہذیب سے کہے ہوئے۔ نظریات سے بہر حال بالاتر ہیں۔ اور عباسی صاحب کے نظریات ان کے مقابل

رُخ پر جا رہے ہیں۔ اور یہ عرض کیا جا چکا ہے کہ تاریخ اگر حقیقہ کے مطابق
 اور اس سے جم آجنگ ہوگی تو قبول کی جائے گی کہ وہ تاریخ درحقیقت اس
 حقیقہ کی تاریخ ہے اور اس کا مجموعی نشان نزول ہوگی اور رد و رد کر دی جائے گی۔
 اس لئے اس اصول پر فیصلہ کر لیا جائے کہ ان عقائد کو چھوڑا جائے یا عباسی
 صاحب کی تاریخی ریسرچ اور دوسرے نظموں میں ان کے اپنے نظریات اور
 قرائن آریوں کو خیر باد کہا جائے؟ جنہیں تاریخی ریسرچ کے نام پر پیش کیا
 گیا ہے؟

پھر جبکہ عباسی صاحب نے حضرت حسین جیسے بلیغ القدر صحابی کی شان
 میں جو سلوک مسلمین علمائے صحابہ اور اہل بیت نبوت میں سے ہیں اجابت
 دینے والی اور گستاخی سے کام لیا ہے جس کے چند نمونے اوپر عرض کئے گئے تو
 انہیں صحابہ کے دعا گو یوں میں شامل کیا جائے جن کو قرآن سے مستظرفین کا
 خطاب عزت و حرمت فرمایا ہے یا بدگو یوں کی فہرست میں لیا جائے جنہیں
 ان کی نسبت ود تارۃ کی وجہ سے قرآن نے صحابہ کے ساتھ اس موقع پر قابل
 ذکر نہیں سمجھا۔

عباسی صاحب کا موقف

اول خلاصہ بحث

بہر حال عباسی صاحب کی اس کتاب اور ان کے نظریات سے چونکہ صحابہ
 و دریا مخصوص حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے بارہ میں مسلک اہل سنت و اہل بیت

پر زو پڑتی غم، جس کو ابھی پاں کیا گیا۔ جب اس کے اندر جتن تھی کہ عمو، سواہ کرم اور محمود حضرت حسین رضی اللہ عنہ وغنیمت سے رہا میں مذہب کی نصرت و پیش کر کے واضح کیا جائے کہ اس کتاب کے نظریات سے ان پر کس کا اثر پڑا اور اس سے اثر کی کیا صورت ہے۔ یہ بڑا ذکر بڑا متصوّر و متعقّب تھا۔ اس لئے آیا کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا اس سے متعلقہ ڈول کے بارے میں بحث ہوئی تھی۔ یہ ذکر کیا گیا تو قدرتی طور پر حضرت امام کی تقیض، ایمان الازہ، تقی سوئے تقیض کی معنی اور کثرت خیروں کے ساتھ لکھی گئی۔ اس لئے حضرت امام کے با مقابل اس کی پوری سن کا کھول دیا جائے گا بھی ضروری تھا۔ تاکہ دونوں شخصیتوں کے بارے میں سمجھ کا نقطہ نظر واضح ہو جائے۔

ایک بات مطلوب اصول کے یہ بھی پیش کر دینی ضروری ہے کہ معاہدہ کے واقعات پیش کر کے ان پر حکم لگانے میں بنیادی غلطی یہ کی جاتی ہے کہ حکم صرف واقعات کی سطح پر لگا دیا جاتا ہے اور منشاء سے قطع نظر کر لی جاتی ہے۔ حالانکہ کتاب و سنت، عود سلف و خلف کے اجماع سے تصدیقات نفسی سے صحت کو متقن بذل مصالح، نسب حسن، لیت، تقی و سی اور اولیاد کا ملین قرار دیا ہے جو محفوظ من اند ہیں اور خصوصیت سے حفظ دین اور روایت و نقل دین میں مدد و اولین مانا ہے۔ جن کے قلوب نہ مودہ خداوندی تقدیر سے بھر گئے تھے قرآن کے تمام احوال، فعل میں ان کے ان اوصاف سے قطع نظر کہ حکم نہیں لگایا جاسکتا۔

ایک مسئلہ اور، فاجہ کے عمل کی صورت کیساں ہوتی ہے۔ مگر منشاء الگ

اُنک جو تاجہ اس لئے ۱۰۱ ہوتا ہے کہ ایک لی سک حکم تک ہو جائے۔
مسلم ہر ہر کے لئے پتہ ہونے چاہئے۔ اُنھنے چٹھے اور دنیا و کائنات ادا
کرتے رہیں۔ وہ عبادت و تہذیب کے جذبات میں فرق ہیں جو تا مگر چھوٹی
ان پر ایک حکم یکساں ہو گیا ہے۔ فرق یہی ہے کہ ان دونوں کا جو تا
ہے جس سے دنیا و آخرت کے احکام دونوں کے ایک ہوتے ہیں۔ ایک ہی
خدا ہے۔ ایک تو موزن و لیب علم سے سرزد ہو رہی ہے۔ دوسری ایک جہت
کار عاقل سے سرزد ہو تو دونوں پر یکساں حکم نہ نہیں ہوگا۔ فرق کی وجہ یہی
ان کے علمی اور فطری احوال کا فرق ہوگا۔ ہر فرد مسلم دونوں فرق جنگ کرتے
ہیں مگر ایک کی جنگ ہو جیاد اور ایک کو صاف کہا جاتا ہے دونوں میدانوں
میں جاتے ہیں اور ایک ہی مقصد سے کرتے ہیں جیتیں ہیں عبادت ہی کی
سوتی ہیں مگر ایک کی امانت مقبول اور ایک کی نامتول ہوتی ہے۔ یہ
حکم کا فرق ان کے تہذیبی فرق سے ہے۔ کہ صورت ملے ہے۔ اس شرط
صحابہ کی باہم لڑائیوں میں ہوئیں۔ انہوں نے ایک دوسرے پر تنقید بھی کی
اور ایک دوسرے کے مذمت کیا بھی آئے۔ ان میں زمین و جہاد پر ملنا لٹنے
بھی ہوئے لیکن ان سب معاملات میں ان کے احوال اپنی جہت وقت ان کے
ساتھ رہے اور ساتھ ہی وہ جہاد وقت جہاد و شریعت پر خود سے قائم رہتے۔
تینوں بھی جو تا خود اہل کی سطح پر ہوتا تھا محسوس دیکھ کر ان کے جذبات پر غصہ
عرض تھا۔ ہر باطن میں جہاد کا ذکر قائم رہتا تھا۔ اس سے ان کے اسی قسم
کے افعال کو ہر سے افعال پر نہ نیاں کیا جاسکے گا۔ نہ اس طرح ان پر حکم لگایا

جائے گا۔ جس طرح ہم پر لگایا جاتا ہے۔ ایک شخص ہم میں سے کسی کے سامنے
 کرنت لٹ لہجہ یا اونچی آواز سے بول پڑے تو بعض اس بولنے کی آواز اور
 لہجہ پر ہی دُکے قائم کی جاسکتی ہے لیکن یہی اونچی آواز اللہ کے رسولؐ کے سامنے
 ہوئی تو بولنے والے کے تمام اعمال ضبط اور ضبط کرنے جاتے اس حکم کے
 فرق کی وجہ وہی مقام اور منصب کا فرق ہے جن کے حقوق الگ الگ ہیں
 حاصل یہ ہے کہ مقبولین اور عوام کے کاموں کو ایک پائے سے نہیں ناپا جاتا۔
 اس لئے یہ ماننا پڑے گا کہ حضرت صحابہ کے معاملات پر ان کی شرعی پوزیشن
 سے قطع نظر کر کے حکم نہیں لگایا جاسکتا اور وہ پوزیشن محفوظ من اللہ اور
 مقبولان الہی ہونے کی ہے۔ تو ان کے ان معاملات میں بھی جن کی صورت
 بظاہر عطا کی نظر آئے ان کا یہ مقام منفویت و مقبولیت محفوظ ہے گا
 اور جو تردد کہا جاسکے گا کہ مقبولین کی ہر ادا مقبول ہے۔ پھر اگر فعل کس
 صورت میں اعلیٰ ہے تو حقیقت پہلے ہی سے اعلیٰ فعلی اور اگر صورت اعلیٰ نہیں
 و حقیقت بہر صورت اعلیٰ رہے گی اور حکم اسی پر لگا کر اسے خطۂ اجتہاد ہی کہا
 جائے گا نہ کہ مصیبت طرز ان کے افعال کو ہمارے افعال پر کسی صورت میں
 صحیح قیاس نہیں کیا جائے گا۔ ہم کہ منشا فعل میں زمین و آسمان
 کا فرق ہے۔

کار پا کان یا قیاس نہ خود گیر

گھرچہ ماخذ روشنی شیر و شیر

اس فرق کو نظر انداز کر دینے ہی سے بے ہوشی اور گستاخی کا وہ تمام

آتا ہے جس پر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے بارہ ہیں آج عباسی صاحب کھڑے ہوئے ہیں اور عموماً اہل بیت کے بارہ ہیں خوارج کھڑے ہوئے اور شیعیان اور دوسرے حضرت مصاب کے بارہ میں شیعوں کھڑے ہوئے اور اس طرح سلف کی شان گھٹا کر خود اپنی اور اپنے ترین کی اصل شان غراب کر لی۔ اس سلسلہ و دہلیز احترام میں جہاں تک روایتی حیثیت کا تعلق ہے۔ ہم اگر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی حدت و ثنا اور عظمت پر برگی پر توڑ دے کر ان کی شان میں سرب و بی اور عہد یعنی کونسا بار ٹیپا رہے ہیں تو اس میں ہماری اصلی حجت کتاب سنت ہے تاریخ نہیں۔ یہ تاریخی روایتیں جو کتاب و سنت کے مطابق ہوں۔ ان کی تشریحات اور مزیجات ہیں۔ اس لئے ہم نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے متعلق مقاصد کو عقائد کہا ہے۔ نظریات نہیں۔

ایسے ہی اگر ہم نے یزید کے فسق و فجور پر زور دیا تو اس کی بنیاد و حقیقت کتاب و سنت کے عمومی اشارات ہیں جن کی تفسیر و تعلات اور ارباب دین و یقین نے کی۔ اس لئے کہ یہ بارہ میں بھی تاریخی روایتیں جو بنیاد کی بنیاد اور الناس سے ہم آہنگ ہوں۔ ان کی تشریح اور مؤیدیت کا ذکر ضروری نہیں۔ کیونکہ کتاب و سنت کا اشارہ بھی تاریخ کی ضرورت سے قوت میں بڑھا ہوا ہے۔

اس لئے جو تاریخی روایتیں حدت حسین اور قدح یزید کے حق میں ہیں وہ چونکہ دیکھ کے اشارات کی مؤید ہیں اس لئے قابل قبول ہوں گی۔ اگرچہ تاریخی اعتبار سے کچھ کمزور ہی ہوں، کہ ان کی بڑی قوت کتاب و سنت کی پشت

پناہ کی ہے۔ اور اس کے برعکس حدیثِ یحییٰ اور حدیثِ حسین کی حوالہ دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ سنت کے اٹھانے کے خلاف سنت میں ہیں بلکہ شیعہ قابلِ رد و ہوں گی، اگرچہ تاریخی معیار سے کچھ قوی بھی ہوں کیونکہ اس کی توثیق کو مؤمنانِ سنت کتاب و سنت سے نہ مل کر لیا جاتا ہے۔

آخر یہ صورتِ طرح حسین اور قدامتِ یزید کی حیثیات کو باقی رہا ہے کہ نہ رو کر دیپ کی وقت کا، مگر ہو سکتا ہے جب صرف اس پر مبنی ہو۔ جبکہ وہ مؤیدات کے درجہ کی ہیں تو قوی کی تائید میں ضعیف کا کھڑا ہونا کسی حاکمیت میں بھی قابلِ اعتراض نہیں ہو سکتا۔ کتاب و سنت سے رو کر یہ کافر قائل بھی جہت میں پیش کیا جاسکتا ہے، یہاں کہ مضمون نے اپنی نبوت کی حاکمیت پر بحیرہ بہب کے قول سے استدلال فرمایا۔ نہ اس لئے کہ نبوت کا ثبوت بحیرہ بہب کی روایت پر مثبت تھا بلکہ اس لئے کہ نبوت کا ثبوت وہی قطعی ہے جو یہاں تھا اس لئے ایک ثابت شدہ کی تائید میں صحیحان سے ضعیف قول یعنی کہ کافر کا قول بھی قابلِ قبول ہو گیا۔ پس یزید کے حق اور اس کے مخالفین حق و سببوں اور فاسق و فاسقوں کی مؤید اگر کوئی تاریخی حاکمیت ماننے والے خواہ سی کی ہو یا شیعہ کی اس لئے قابلِ قبول ہوگی کہ وہ اصل کی مؤید ہے۔ یہ ہدایات سننے کے سن میں روایتی حیثیت ہی سے قبول یہاں سقیم ہو کہ وہ فتنی طور پر قابلِ قبول نہ ہو۔ لیکن فتنی طور پر اگر قابلِ حاکمیت ہو خواہ وہ کسی میں ہو۔ جو جب تاک کہ وہ موضوع و منکر کی مدد سے نہ پہنچ جائے۔ اٹھانے والی حدیث کی تائید میں بلاشبہ استدلال کی ناقصی ہے، اسی

لئے صرف ان کثیرن امور سے متعلق شیعی راویوں کی روایتیں ہی نقل کر جاتے ہیں اور قول بھی کرتے ہیں نہیں یہ کہہ کر وہ نہیں کرتے کہ اس میں شیعی یا سبائی روایت بھی ہیں یا فنی جرح کے معیار سے روایت مشتبہ یا مطلقاً نہایت جو تر خواہ وہ سختی کی بھی جو اسے مجروح ٹھیرا دیتے ہیں۔ بہر حال جرم و تعدیل کا بنیادی معیار راوی کا ضبط و درالت ہے علی الاطلاق مشرب مسکک نہیں ہے کہ اصولی حدیث کے فی میں اسے واضح کر دیا گیا ہے۔

پھر کہ حدیث حسین اور قدر یزید کے سلسلہ میں اگر کسی سبائی کا رد کرتے ہوئے بات وہ کہی جائے جو خارجیوں کا عقیدہ اور مذہب ہو یا اس سے سختی ملتی ہو تو وہ افراط کا جو مذہب تعزیر سے ہو گا جو رد نہیں بلکہ رد عمل کہنا ہے گا اور رد عمل جذباتی چیز ہوتی ہے اصول نہیں ہوتا ظاہر ہے کہ یہ اصول جذبات کی بات کم از کم اہل سنت والجماعت کے لئے جو امت کا سواد عظیم اور مرکز اعتدال ہے قابل قبول نہیں ہو سکتی۔ بہر حال عقیدہ کسی بھی تاریخ اور تاریخی ریسرچ کی بنیادوں پر نہ قائم ہو سکتا ہے نہ اس کی وجہ سے ترک کیا جا سکتا ہے اس لئے تاریخ کو عقیدہ کی نگاہ سے دیکھا جائے گا عقیدہ کو تاریخ کی نگاہ سے نہیں دیکھا جائے گا۔ پس ہم نے حدیث حسین اور قدر یزید کے سلسلہ میں جو کہ بھی تاریخی طوطہ پر کہا ہے۔ اس کی بنیاد کتابت سنت محمدیہ و فقہاء و متکلمین کا کلام ہے۔ تاریخی نظریات نہیں جو ان کے مقابلہ میں روایت سند کے اعتبار سے بھی کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔ چہ جائیکہ بتاؤ مذہب اور بنیاد عقائد بننے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔ اس لئے ہماری پیش کردہ تاریخی روایات

اس سلسلہ میں کتاب و سنت کی بصیرت اور ان کی پناد کے دامن میں رہیں۔
 عباسی صاحب کی اس سلسلہ کی روایات خود اس کے نظروں فکر و قلم کرد و نظریات
 کے دامن میں ہیں۔ یہاں پہلی روایات کا تئید کے طور پر ہم بھی لائے ہیں لیکن
 کتاب و سنت اور فقہ و اصول فقہ کی تائید کے طور پر اور عباسی صاحب کی روایت
 میں ہیں اپنی نظریات کی تائید کے لئے اس لئے اگر ہماری کوئی تاریخی روایت
 سوزناتی سے مخرج یا سبب و انتہا ہو جائے تو آخر کار ہمارے ہاتھ میں
 کتاب و سنت، اور فقہ و اصول و سنناتی رہا جاتا ہے۔ جس سے ہمیں کسی بھی تاریخی
 روایت کے ساتھ سے نکل جانے کا غم نہیں ہو سکتا کہ اصل ہاتھ میں ہوتا ہے
 لیکن اگر عباسی صاحب کی پیش کردہ تاریخی روایتیں مخرج و سبب و انتہا
 ہوں تو ان کے ہاتھ میں بجز اپنے دماغ کے اسے کچھ نہیں رہتا۔ یعنی وہی
 رہا جاتے ہیں اور کچھ نہیں رہتا تو اندازہ کر لیا جائے کہ اس میں کون سی
 پذیرش مضبوط ہے اور کون سی اس قابل ہے کہ بطور مسکب کے اسے
 اختیار کیا جائے۔

آخری گذارش

آخر میں ایک آخری گذارش یہ ہے کہ عباسی صاحب کی اس کتاب
 یقیناً حقارت سید کو دکھائی ہے اور تدارک پہنچا چاہیے تھا لیکن اس میں
 ان کے لئے جہاں دکھ کا سامان موجود ہے وہیں عبرت کا سامان بھی ملتا
 ہے اور وہ یہ کہ جب کسی کے معتقد قیہ کہ مدعا ان کے ہاتھ پر بھلا کر دیا

تو معتقدین کے دلوں پر کیا کچھ گزرتی ہے۔ شیعہ حضرات اس سے عبرت
 پکڑیں کہ عباسی صاحب نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شان میں جو کچھ بھی کہا
 کچھ وہ یقیناً اس سے بہت کم اور بگھے ہیں جو حضرات شیعوہ حضرات صحابہ کرام رضوان
 اللہ علیہم اجمعین کے بارے میں استعمال کرتے ہیں لیکن اس پر ہی شیعہ حضرات بیلائے
 تو وہ اس سے اندازہ کر لیں کہ جب وہ حضرت کشمینی اور دوسرے حضرات کی
 کرام کی نسبت بدگوئیاں اور بدتہذیبی کے ساتھ سب و شتم کرتے ہیں۔ تو
 سنیوں کے دلوں پر کیا گزرتی ہوگی۔ اگر اس کے نزدیک عباسی صاحب کا یہ
 اقدام ہوا انہوں نے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں کیا خلاف
 تہذیب اور دلائل زار ہے تو انہیں سوچ لینا چاہیے کہ وہ خود جو تہذیب سے
 انتہائی گرا ہوا اور سب و شتم پر مشتمل دل آزار رویہ سنیوں کے مقتداؤں کے
 بارے میں رکھتے اور اسے مذہب بھی سمجھتے ہیں۔ سنیوں کے لئے کس درجہ
 دلائل زار اور دکھ دینے والا ہے۔ اگر عباسی صاحب کا رویہ قابلِ ملامت و
 استہزاء ہے تو شیعہ حضرات کی یہ سب و شتم کی روش کیوں قابلِ انداز نہیں؟
 پس آج حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے بارے میں جو باتیں پر گزری۔ وہ
 اسی کو سامنے رکھ کر شیخین اور صحابہ کے بارے میں جو سنیوں پر گزرتی ہے۔
 انہی روش پر نظر ثانی فرمائیں۔

اہل سنت و اجماعت کا مسک بھی چونکہ مسکِ اعدائے ہے اور وہ سن
 ایک بھی صحابی نام کے کسی فرد کے بارے میں اوتی ہے ادنیٰ جائز نہیں سمجھتے۔
 اس لئے خوارجی جوں یا شیعہ وہ دونوں کی سنتے ہیں اور دلی مسوس کر رہے

جاتے ہیں اُف نہیں کہتے کیونکہ ان کے یہاں مذہب ہے نہ ملی نہیں سو اپنے دل کا قلم بد کلامی سے ہلکا نہیں کر سکتے کیوں کہ شیعوں کے مقتداؤں یا خارجیوں کے وہ خود ان کے مقتدا ہیں اگر اپنے مقتداؤں کی توہین کا انتقام ان کے مقتداؤں کی توہین سے لیا جائے تو آخر وہ کس کے مقتدا ہیں؟ اہل لائے ایک سنی ٹائی کا جواب گالی سے دے ہی نہیں سکتا۔ اور اس کے لئے بجز صبر کے کوئی ہمارے کار نہیں۔ وہ بجز اس کے کہ خواجہ و شیعہ اور ان کے ہم مڑی حضرات کے مقابلہ میں صبر بد کلامی سے بچنے جوئے کی تسلی کے ساتھ حقیقت پیش کر رہے اور کبھی کیا سکتا ہے؟ اسی کے یہاں تو زیر میں اگر مستحق لعنت و لعنت ہو تو وہ پھر بھی اپنے مسئلہ کا رشتہ اعتدال و اعتدال سے نہ دیتے ہوئے علماء و علما سے بچتا ہی رہے گا۔ چہ جائے کہ شیعہ یا خواجہ کے مقابلہ میں ان مرد و ستا ہر ہو جائے۔ کیونکہ اس کے یہاں مذہب میں اظہار و مبالغہ کی لہجہ یہ چیز ہے نہ مذمت میں فکر اور مبالغہ مناسب۔ یہ مقالہ زیرِ نظر بھی نہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے فضائل و مناقب میں مبالغہ آرائی کے لئے لکھا گیا ہے نہ یہ بد کے حق میں لعنت و لعنت کو ذلیف قرار دینے کے لئے۔ اگر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی ذات کستودہ صفات کا ذکر آئے گا تو ہم بلاشبہ سر جھکا دیں گے اور ان کے نقشبند پر سر کے بل چلنے کو ایمان و سعادت سمجھیں گے۔ اور یہی وہ اور اسکے قبائے و مناقب سامنے آئیں گے تو ہم اصل حقیقت کو سمجھ کر غمگینی اختیار کرنے ہی کو معقول جذبہ سمجھیں گے۔ اب اس کا مسئلہ اللہ کے ساتھ ہے

ہمارے ساتھ تھے۔ اگر عباسی صاحب یہ مسئلہ نہ چھیڑتے تو جیہد کے بارے میں جو نقول پیش کی گئیں۔ ان کے پیش کرنے کی کبھی نوبت نہ آتی۔ پس اس مقالہ کا مقصد مدح و ذم کی آرائش نہیں بلکہ ان دو شخصیتوں کی شہادت کرنا اور جیہد کے بارے میں صرف مذہب اہل سنت کی وضاحت اور عباسی صاحب کی اس تاریخی ریسرچ سے اس پر جو اثر پڑتا تھا۔ اس کو کھول دینا تھا اور جس میں اپنے ناقص علم کی حد تک کوتاہی نہیں گئی۔ ہم اپنے اور عباسی صاحب اور سائے مسلمانوں کے حق میں راہ مستقیم بہ چلنے اور حسن انجام کے خواہاں ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ۔

اللہم انما الحق حقاً و انما الباطل باطل باطلا
و انما الحق باطل و الباطل باطل باطلا

محمد طیب غفرلہ مدیر دارالعلوم دیوبند

۳۰ رجب ۱۴۰۹ھ یوم الاربعاء

(نوٹ) یہ مسودہ کافی دیر سے لکھا ہوا ہے اور اس کے مسئلہ کے تحت درجہ آخر میں ۱۱ ذی قعدہ کن طویل علالت کے وجہ سے اس پر نظر ثانی نہ ہو سکی تھی مدت میں آخر علالت سے یار کے جسے اس نے نظر ثانی کے نوبت آئی اور اسے حالت میں کاتب کو دیا جاتا رہا جس سے یہ مغالطہ خیرہ شائع ہو رہا ہے۔

محمد طیب غفرلہ

وَقَالَ الْعَبْدُ الْغَلِيظُ الَّذِي هُوَ فِي حَسْبِهِ

آئینہ حکیم الامت

ترجمہ و اضافہ شدہ آخری ایڈیشن

حکیم الامت محمد علی شاہ حضرت شاہ محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہ
کی ساری حیات اور خانقاہ شریفہ کا تحصیلِ فکر آپ کی مشورہ و تائید سے ہوئی۔ ان کی
مراہم و ہدایت پر ہی ان کی نظریات و افکار پرستش و تکریم ہوئی۔ ان کی مشورہ و تائید سے
ان کی تالیفات کو خاص تر تہجیب کا ساتھ دیا گیا ہے۔

ارشادات و افادات

حضرت عارفِ ہندہ ڈاکٹر محمد عبدالحی صاحب عارفی مدظلہ العالی
عینہ بجا حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ کا شاہ محمد اشرف علی تھانوی صاحبِ کرامت
مؤلفہ و جلیب مسعود حسن علوی مسعود

انارکلی لاہور ۲

انارکلی لاہور ۲